مبہوت ہونے کے بجائے اُن قیمتی خزانوں کو لوٹ لیا مگر اللہ کے فضل وکرم سے محل صحیح سالم رہ گیا اور اب ہم اس میں داخل ہو کر علم اور تخیّل کی مدد سے یہ دیکھ سکتے ہیں کہ تمہارے دربار کے زمانۂ عروج میں اس کی اور تمہاری کیا شان رہی ہوگی۔ تم نے حُسن سے محبت کی خاطر اُس شہرت کو قربان کر دیا جو تمہیں دشمن کا مقابلہ کر کے حاصل ہو سکتی تھی اور اب اس قربانی سے ہر شخص مستفید ہو رہا ہے۔

ہاں سلطان بوعبدل! تم ایک ہیرو ہی تھے۔ تمہاری بلند پایہ روح اتنا بڑا جرم گوارا نہ کر سکی۔[1] اُن عجیب وغریب عربی طرز کے ظروف' دھاتوں سے مرصّع آرائشی سامان' شیشے کی آرائشی اشیاء' جھالروں' پردوں اور قالینوں اور جلد سازی کے شاہکاروں کے متعلق میں کیا بتاؤں کہ وہ کتنی حسین چیزیں تھیں۔ لندن کے ساؤتھ کنسنگٹن (South Kensington) میوزیم میں جا کر یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک امیر عرب گھرانے میں آرائش کے لیے کیا کچھ سامان ہوتا تھا۔ نہ صرف امیر بلکہ متوسط اور غریب گھروں میں بھی بہت کچھ ہوتا تھا۔ ہر چیز فن کا اتنا عمدہ نمونہ تھی کہ ان میں سے جو چیزیں بچ گئیں' آج اسلامی آرٹ کے عجائب گھروں میں شیشے کے صندوقچوں میں سجا کر رکھی جاتی ہیں۔ فن کے ان نمونوں نے تحریک احیائے علوم کے دور میں یورپ کو ایک نئی روشنی دی۔ اس فن کی مصنوعات دنیا میں بے مثال ہیں اور باریک نقّاشی اور مسودات کی تو شان ہی نرالی ہے۔

قرآن کریم کے کئی پرانے قلمی نسخے دیکھ کر میں بہت محظوظ ہوا۔ فن خطاطی اور آرائش کے یہ نمونے واقعی شاہکار ہیں۔ اس فن میں اطالوی اور دنیا کی کوئی اور قوم بھی ان کی گرد کو نہ پہنچ سکی۔ اور پھر کتنے زبردست تخلیق کار تھے وہ اہلِ قلم جنھوں نے شہرزاد کی کہانیاں لکھیں۔ اُن لوگوں کو تو

---

[1] یہ الحمرا کے حُسن سے مسحور کاؤنٹ جیوجا کے ذاتی خیالات ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ بزدل ابوعبداللہ اور اس کے پیشرو سلاطین نے اگر جہاد سے منہ نہ موڑا ہوتا اور شان وشکوہ کی حامل یادگاریں بنانے کے بجائے ناقابلِ تسخیر قلعے تعمیر کیے ہوتے اور مسلمانانِ اندلس کو سیسہ پلائی دیوار بنایا ہوتا تو اندلس (سپین) سے اہلِ اسلام کو حرفِ غلط کی طرح نہ مٹا دیا جاتا۔ (م ف)

اب کوئی نہیں جانتا مگر وہ کتاب (الف لیلہ) جو انھوں نے لکھی آج بھی اتنی تروتازہ لگتی ہے جیسے کل ہی لکھی گئی ہو۔ اس کتاب نے دنیا بھر کے ادب میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اس میں گہرے فلسفے اور اُس دور کی دانش انسانی کے علاوہ ہوا میں پرواز، سمندر کی تہ میں سفر، دُور سے چیزوں کو دیکھنے کے کمال اور بہت دور کی آوازیں سننے جیسے تخّیل کی ایسی قیاس آرائیاں بھی ہیں جو آج سائنس کی وجہ سے حقیقت بن چکی ہیں، لہٰذا یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس قدیم دور میں ایسی حیرت انگیز باتیں لکھنے والوں کا تخّیل کتنا دوررس اور درست تھا۔

عرب کے عظیم مفکروں، شاعروں، فلسفیوں، ماہرین فلکیات اور سیاست دانوں کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں، لہٰذا میں اپنے موضوع کی طرف واپس آتا ہوں۔

اسلام کے لیے اپنے جوش وخروش کی وجہ سے میں نے تمام مذاہب کا مطالعہ شروع کر دیا۔ قدیم ترین مذاہب سے لے کر آج تک کے مذاہب کا موازنہ کیا اور تنقیدی نگاہ سے اُن کا جائزہ لیا۔ آہستہ آہستہ مجھے یقین ہونے لگا کہ مسلمانوں کا طریقۂ عبادت ہی صحیح دین ہے اور قرآن پاک میں وہ سب کچھ موجود ہے جو روح کو اپنے ارتقاء کے لیے چاہیے۔

میں نے قرآن کریم کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ بدقسمتی یہ تھی کہ اس کے ترجموں پر انحصار کرنا پڑا۔ مگر مجھے اچھی طرح یہ احساس تھا کہ یہ اپنی اصل زبان میں کتنا دلکش اور معانی سے کتنا لبریز ہوگا۔

میں کیتھولک ماحول میں پیدا ہوا مگر میرے تمام خاندان نے روم کو پوپ کی اجارہ داری سے نجات دلانے کی بھرپور جدوجہد کی۔ میرے والد کو ایک سال تک ایک گہری، تاریک اور کال کوٹھڑی میں قید رکھا گیا۔ میرے چچا کو بھی قید کر دیا گیا اور بعد میں میرے والد کو سزائے موت دے دی گئی۔ میرے والد اور چچا کا جرم یہ تھا کہ وہ گیری بالڈی[1] (Garibaldi) کے ساتھ ساز باز کر کے اُس کے لیے شہر پناہ کے دروازے کھول دینے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ مگر یہ سازش

---

① جوزف گیری بالڈی (Joseph Garibaldi) (82-1807ء) ایک اطالوی جرنیل تھا جس نے انیسویں صدی کے وسط میں اٹلی کی ریاستوں کو متحد کر کے ایک مملکت بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ (م ف)

پکڑی گئی کیونکہ پوپ کی حکومت کو ماہر جاسوسوں کی خدمات حاصل تھیں۔ میرے چچا جان بچانے کے لیے ترکِ وطن کر کے افریقہ چلے گئے اور بقیہ زندگی وہیں بسر کر دی۔

میرے والد بے چارے بہت مصیبت میں مبتلا رہے کیونکہ انہوں نے اپنی کثیر دولت اٹلی کو پوپ سے نجات دلانے پر صرف کر دی۔ آخر کار اٹلی کی فوجیں اس ابدی اہمیت کے حامل شہر میں داخل ہوگئیں۔ میں اگرچہ عمر میں بہت چھوٹا تھا مگر اپنے والد کے اثرات اور ان کی رہنمائی کی وجہ سے کیتھولک مذہب کی پیچیدہ اور ناقابل یقین توہم پرستی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام بنی نوع انسان کی اخوت کی پیش گوئی کی تھی اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ہم سب برابر ہیں۔ مرد عورت' امیر غریب میں کوئی فرق نہیں۔

آپ اگر کیتھولک چرچ میں داخل ہوں تو آپ دیکھیں گے کہ وہاں امیر اور غریب میں کتنا فرق ہے۔ امیر پہلی صف میں مخمل کے گدوں پر مقامِ دعا کے قریب جُھک کر عبادت کرتے ہیں جبکہ غریب بہت پیچھے لکڑی کے سخت تختوں پر بیٹھ کر یہی عمل کرتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی کارڈینل (Cardinal' پوپ کے نائب) سے بات کرنا چاہے تو اُسے باقاعدہ اجازت لینا پڑتی ہے اور پیشگی اپنا مدعا بیان کرنا پڑتا ہے جو کہ اکثر مسترد کر دیا جاتا ہے کیونکہ کارڈینل اپنے آپ کو کیتھولک چرچ کے شہزادے سمجھتے ہیں۔ ان سب باتوں کا اس سادگی اور بھائی چارے سے کیا واسطہ جس کی تعلیم مسیح علیہ السلام دیتے رہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تو غریب اور سادہ لوگ تھے اور مجھے یقین ہے کہ آپ اگر دوبارہ زمین پر واپس آ کر ان لوگوں کے تکبّر اور تعیّش کے خلاف تبلیغ کریں جو زمین پر ان کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے ہیں تو یقیناً یہ لوگ انہیں دوبارہ سولی یا اس کی جدید متبادل صورت کی بھینٹ چڑھا دیں گے۔

پوپ جو اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نائب کہتا ہے' وہ غالباً دنیا میں سب سے زیادہ رئیسانہ طرزِ زندگی کا رسیا ہے۔ اودے رنگ کی مخمل' ریشم' جھالروں اور قاقم کے لباس میں ملبوس' بیش قیمت چمکدار نگینوں سے مرصع عبا پہنے' سونے کے تخت پر بیٹھا' بھڑکیلے رنگوں کی وردی میں

ملبوس محافظوں اور قیمتی چغوں والے پادریوں میں گھرا ہوا پوپ جسے ہر شخص (سوائے میرے) جھک کر سلام کرتا ہے۔ اگر بتیوں اور لوبان کی خوشبو کے بادلوں میں گھرا پوپ واقعی بہت حسین لگتا ہے۔ اس کی تھیٹر کے اداکاروں جیسی آن بان اپنی جگہ مگر اس کی شخصیت میں روحانیت کا ذرا سا بھی اثر نظر نہیں آتا۔

کیتھولک فرقے کی تقریبات کے موقعوں پر پوپ لوگوں کے اظہارِ عقیدت کی خاطر اپنا ہاتھ اور کبھی اس سے بھی زیادہ ذلت آمیز چیز' اپنا پاؤں آگے بڑھا دیتا ہے جسے لوگ بوسہ دیتے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ تکبر کے کسی اور مظاہرے کا تصور بھی ممکن ہے؟ کیا اس قسم کی قدیم رومی شہنشاہوں کی نقالی سے خود کو دینی رہنما ظاہر کرنے والا غریب اور موٹے کپڑے کے کرتے میں ملبوس' ننگے پاؤں چلنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نمائندہ کہلا سکتا ہے؟ اتنے واضح تضاد سے ایک صاحبِ شعور انسان کیوں کر متاثر ہو سکتا ہے؟ فرض کریں کہ آپ روم میں سینٹ پیٹر (St.Peter) کے چرچ میں کسی دینی بزرگ کی یاد میں منعقدہ تقریب میں یا کسی اور محفل میں شامل ہوں تو آپ کو ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ چرچ کے اندر سفارتی نمائندوں یا دوسرے بڑے لوگوں کے لیے خصوصی گیلریاں بنی ہوتی ہیں جو اسی مقصد کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کی مسجد کتنی خوبصورت اور سادہ ہوتی ہے۔ اور مکّہ کا حج کتنا دلکش ہوتا ہوگا جہاں غریب اور امیر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا اور اللہ کے سامنے وہ سب یکساں ہوتے ہیں۔

اب میری ساری روحانی تمناؤں کا محور یہ ہے کہ میں حج کر سکوں۔ میں اپنے شاعرانہ تخیل کی آنکھ سے کبھی کبھی خود کو عرب کے صحرا میں بالکل اکیلا کھڑا دیکھتا ہوں جہاں سمندر کی طرح میلوں دور تک صحرا پھیلا ہوا ہے اور میں اپنے رب کے حضور اکیلا کھڑا ہوں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں اُس کے ہاتھ میں ریت کا ایک ذرّہ ہوں۔ میں ستاروں کو گہری نظر سے دیکھتا ہوں اور اس پُر جلال وسعت میں کھو جاتا ہوں۔ دنیا کی تمام پریشانیوں سے دور کائنات کی بے انتہا وسعتوں میں کھو کر لحہ بہ لحہ میرا یقین فزوں تر ہو جاتا ہے کہ سائنس جوں جوں زیادہ بڑے اور حیرت انگیز قوانینِ فطرت دریافت کرتی جائے گی' ہمیں اللہ کی زبردست قوت کا زیادہ سے زیادہ

ادراک ہوتا جائے گا۔ اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کی خوشی کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ سفید' بھورے' سانولے یا سیاہ رنگ کے لوگ جنہیں ایک دوسرے میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا' سب کے سب قبلہ ہی کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہیں۔ اللہ نے رنگوں کا کوئی امتیاز قائم نہیں فرمایا اور ہر آدمی کے پاس اپنے رنگ پر مطمئن ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ موجود ہے۔

مجھے سانولے اور سیاہ رنگ کے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔ جلد کی رنگت کا دارومدار سورج کی حرارت کی مقدار پر ہے۔ انسانی جلد جتنی زیادہ حرارت جذب کرے گی اس کا رنگ اتنا ہی سانولا یا سیاہ ہوگا اور جتنی کم حرارت جذب کرے گی اتنا ہی زرد یا سفید ہوگا۔ اس لیے قطب شمالی کی طرف جتنا آگے جائیں لوگوں کا رنگ اتنا ہی زرد یا سفید اور ان کے بالوں کا رنگ دیکھنے میں اتنا ہی پھیکا نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس خطِ استوا کی طرف آئیں تو رنگ بتدریج سانولا اور پھر سیاہ نظر آتا ہے۔ برف موت کی علامت ہے اور سورج زندگی کی۔ اس لیے میں برف والے علاقے اور مذہب کو چھوڑ کر سورج کی حرارت' دھوپ والے علاقے (عرب اور اسلامی ممالک) اور دین کی طرف جانا پسند کرتا ہوں۔ آدمی کی اصل قیمتی چیز اُس کی جلد کی رنگت نہیں بلکہ اس کے دل کی ہوتی ہے۔ کیا سیپ (صدف) بھورے رنگ کی اور اُس کے اندر کا قیمتی موتی سفید اور چمکدار نہیں ہوتا؟ پس میں روح کو موتی اور جسم کو صدف سمجھتا ہوں۔ سانولے اور سیاہ لوگوں کی تصویریں بنانے میں' میں نے بہت لطف محسوس کیا۔ اگر میری جلد کی رنگت سیاہ ہوتی تو مجھے خوشی ہوتی کیونکہ مرد کو یہی رنگت سجتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر مجھے ملکِ عرب میں جانے کا موقع ملا تو وہاں کی تیز دھوپ میں میرا رنگ بھی سانولا ہو جائے گا۔ سانولی رنگت پر سفید پگڑیاں، یہ تصور ہی کتنا دلکش ہے۔ اور مجھے یہی امید ہے کہ جب میں دھوپ میں سانولا ہو جاؤں گا اور حاجی بن جاؤں گا تو میری شخصیت کا ایک نیا رُوپ سامنے آئے گا!

اب میں اپنے خاص موضوع کی طرف آتا ہوں۔ میرا یہ یقین روز بہ روز پختہ ہوتا گیا کہ کوئی اور مذہب دین اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ یہ دین حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے لیکن اپنے تمام دوستوں اور ہم وطنوں کا مذہب ترک

کر کے کوئی اور دین اختیار کرنے کا اعلان کرنے سے پہلے انسان کو مناسب موقع کے انتظار میں اس وقت تک صبر وضبط سے کام لینا پڑتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نُور ہدایت نہیں ملتا اور انسان پر اللہ کی رحمتوں کا نزول نہیں ہوتا۔ میں اس نور کا منتظر رہا لیکن میرے ضمیر میں ایک شبہ موجود رہا کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی اگر میں نے مصوری جاری رکھی تو کیا میرا یہ کام گناہ ہوگا یا نہیں؟

اس کشمکش ہی کی وجہ سے میں خاصے عرصہ تک قبول اسلام میں متذبذب رہا۔ پھر میں نے کچھ مسلم اہلِ دانش سے مشورہ کیا۔ اُن میں سے بعض نے مجھے جواب دیا کہ مصوری گناہِ کبیرہ نہیں۔ کچھ نے یہ کہا کہ آج کل تو کئی نیک اور اچھے مسلمان بھی مصوری کر رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ بعض نیک اور پارسا مسلمان سلاطین نے اپنی تصویریں بنوائیں۔ لندن کی نیشنل گیلری میں جینٹا ئیل بیلینی (Gentile Bellini) کے ہاتھ کی بنی ہوئی مراکش کے سلطان محمد خامس کی بہت مؤثر تصویر دیکھنے والوں سے دادِ فن وصول کرتی ہے۔ میرے پاس موجود آرٹ کی کتابوں میں کچھ پرانی تصویریں ہیں' ان میں دو تصویریں غرناطہ کے سلطان ابوعبداللہ محمد (بوعبدل) کی بھی ہیں۔ ایک سادہ لباس میں جبکہ دوسری میں شاہی تاج پہنے ہوئے۔ مگر اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک تصویر سلطانہ کی بھی ہے جس میں اُن کا چہرہ بے نقاب دکھایا گیا ہے۔ اس سے زیادہ وزنی دلیل تصویر کشی کے جواز کی اور کیا ہوسکتی ہے؟ میرے محترم بھائی حاجی علی رضا نے مجھے بتایا کہ اگرچہ تصویر کشی کو گناہ شمار کیا جاسکتا ہے مگر یہ اتنا بڑا گناہ نہیں جس پر اللہ کی شدید ناراضی کا خدشہ ہو۔[1]

اور حاجی علی رضا کوئی عام آدمی نہیں بلکہ دین اسلام کے علماء میں شمار کیے جاتے ہیں۔ پس میں نے مصوری کا کام جاری رکھا۔ آخر کار میرے رسمی طور پر قبولِ اسلام کا لمحہ بھی آ گیا۔ ایک

---

① یہ حاجی علی رضا کا ذاتی خیال ہے ورنہ مصوری گناہ کبیرہ میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تصویر کشی کرنے والوں کو قیامت کے دن اللہ کے ہاں سب سے سخت عذاب ہوگا۔'' (صحیح البخاری' اللباس' باب عذاب المصورین یوم القیامۃ' حدیث:5950)

رات عجیب وغریب خواب کے بعد اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک طوفانی سمندر میں اپنی جان بچانے کے لیے جدوجہد کر رہا ہوں اور بپھری ہوئی موجوں سے پنجہ آزمائی کے بعد بالآخر ساحل پر پہنچ ہی جاتا ہوں۔ اس وقت سمندر کی گھن گرج سے بھی بلند تر ایک آواز مجھ سے پوچھتی ہے: ''تجھے ڈوبنے سے کس نے بچایا؟ اور اب تو (اس طاقت پر) ایمان لانے میں دیر کیوں کر رہا ہے؟''

کچھ دیر بعد میں نے حاجی علی رضا کے پاس جا کر اسلام کا اقرار کر لیا اور انہوں نے مجھے حسبِ معمول نہایت شفقت اور فراخ دلی سے نماز اور اسلام کے بارے میں دیگر تفصیلی ہدایات سے آگاہ کیا اور اس طرح میں دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔

اب مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میرے تمام کیتھولک دوستوں کے گھروں کے دروازے مجھ پر بند ہو چکے ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے ہر کیتھولک دوست کے بجائے مجھے دس مسلمان بھائی مل جائیں گے۔

جب سے میں نے مسلمانوں کے اجتماعات میں جانا شروع کیا' مجھے یہ نیا دین قبول کرنے کے ناگزیر نتائج کا احساس ہونے لگا مگر اب باقاعدہ طور پر یہ دین اختیار کرنے کے بعد اور ووکنگ (Woking) کی مسجد میں گزشتہ بار جانے کے بعد مجھے کھلی دشمنی کے آثار صاف دکھائی دینے لگے اور ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ مسجد میں نماز ادا کرنے کے چند ہی دن بعد مجھے ڈاک کے ذریعے سے بھیجے گئے ایک خط میں قتل کی دھمکی بھی موصول ہوئی۔ میں اس دھمکی پر ہنس دیا کیونکہ میری حفاظت اب میرا اللہ کرے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی اور مجھے یقین ہے کہ میں بقیہ زندگی میں اپنا کام اس وقت تک کرتا رہوں گا جب تک وقت مقررہ پر اللہ مجھے اپنے پاس واپس بلا نہ لے۔ میں اس کی نعمتوں کا آخر دم تک شکر ادا کرتا رہوں گا' خاص طور پر اپنے فنکارانہ مزاج کے لیے جو مجھے اس کے بے مثال حُسنِ تخلیق کو دکھانے میں مدد دیتا ہے۔ میری مصوری اس کی حمد و ثنا کی ایک صورت ہے کہ اس نے کس قدر فیاضی سے ہمیں آنکھوں کے ذریعے سے روح کو مسرور کرنے کا سامان عطا کیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ میں مرنے سے پہلے بہت جلد لندن کے وسط میں وہ خوبصورت مسجد ضرور دیکھ لوں گا جس کا شاندار ڈیزائن ہمارے نوجوان اور ذہین ماہر تعمیرات شیخ عبدالحمید نے تیار کیا ہے۔ صرف ایک مسلمان کی روح کی گہرائیوں ہی سے ایسی خوبصورت مسجد کا تصور برآمد ہوسکتا ہے اور صرف ایک صاحبِ ایمان کو ہی اس کی تعمیر کا حق حاصل ہے' کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں۔ ①

[کاؤنٹ ایڈوارڈو جیوجا' اٹلی]

(Count Eduardo Gioja,Italy)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

"There was a door to which I found no key:
There was a veil past which I could not see.
Some little talk awhile of me and thee
There seemed and then no more thee and me...."

''میرے آگے ایک دروازہ تھا جس کی چابی میرے پاس نہ تھی، ایک پردہ حائل تھا جس کے پار میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر میرے اور تمہارے درمیان ایک لمحے کو یوں لگا کوئی بات ہوئی اور پھر ''میں'' اور ''تم'' کے حجابات اٹھ گئے۔''

کئی دوسرے انگریزوں کی طرح میں نے بھی چرچ آف انگلینڈ سے عیسائیت کی تعلیم حاصل کی اور اس چرچ کی باقاعدہ رکنیت اختیار کی۔ میں نے زیادہ تر بچپن ایک پُرانے کتھیڈرل (Cathedral) ② والے شہر میں گزارا۔ یہ شہر اُس زمانے میں بڑی تعداد میں گرجا گھروں اور شراب خانوں کی وجہ سے مشہور تھا۔

مجھے یاد ہے کہ مجھے اساتذہ اور دوسرے لوگوں نے بائبل کے دس احکام ربانی' عیسائیت کے

① اسلامک ریویو' ستمبر 1935ء ج:23' ش:9' ص:329-336

② کتھیڈرل: وہ کلیسا جہاں اسقف (Bishp) مقیم ہو۔

بنیادی اصولوں اور بائبل کی تعلیمات وغیرہ سے آشنا کیا۔ مگر اس تمام تر تربیت سے مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ فقط ایک عجیب قسم کی جذباتیت اور مذہبی تعلیم کے مختلف امتحانوں میں کامیابی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مجھے وہ روحانی ضبط حاصل نہ ہو سکا جو مجھے زندگی کی مشکلات کے لیے تیار کر سکتا۔

1918-19ء کے دوران میں' میں نے مصر میں رائل ایئر فورس (Royal Air Force) میں کچھ دیر کام کیا۔ وہاں ایک انگریز دوست کے ہمراہ مجھے ایک رات نصف شب کے قریب ولادتِ نبوی کے سلسلے کی ایک تقریب میں شمولیت کا موقع ملا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت ہم اس تقریب سے بہت متاثر ہوئے۔ عربی میں نعت خوانی' ہوا میں لہراتے ہوئے اسلام کے پرچم' عقیدت مندوں کے خلوص اور ان کی مشفقانہ مہمان نوازی نے ہمیں بہت متاثر کیا۔ مگر میں یہ اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہم محض تماشائی تھے۔

انگلینڈ واپسی پر میری جستجو اور تجسس کا آغاز ہوا۔ دانشِ حقیقی کی تلاش پر مجھے پرینٹس ملفورڈ (Prentice Mulford) کی ایک چھوٹی سی کتاب ''Thoughts are Things'' نے آمادہ کیا۔ اس چھوٹی سی کتاب نے سادہ لفظوں میں مجھے قوتِ فکر سے آشنا کیا۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ کس طرح بُرے خیالات ایک برا ماحول مرتب کرتے ہیں جبکہ اچھے خیالات اچھا ماحول قائم کرتے ہیں اور درست سائنسی سوچ خواہشات کی تسکین کا سامان فراہم کرتی ہے۔

یہ تلاش تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہی۔ اس عرصے میں میں نے وسیع مطالعہ کیا' مختلف تقاریر سنیں اور مباحثوں میں حصہ لیا۔ مذہبی فلسفہ (Theosophy)، بدھ مت' یوگا (Yoga) کا فلسفہ' روحانیت' تصوف' کیتھولک مذہب' فکرِ جدید اور پیلمن ازم (Pelmanism) وغیرہ پر خوب پڑھا۔ غرض ہر مذہب اور ہر فلسفے کا مطالعہ کر ڈالا مگر ہر فلسفے میں چند ایک ابدی حقائق کے سوا اور کچھ نہ ملا' لہٰذا یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ میں خالی ہاتھ ہی لوٹ آیا۔

1924ء تک میں اسلام کی سادہ مگر انتہائی معقول اور اطمینان بخش تعلیمات سے متعارف نہیں ہوا تھا۔ ایک دن مڈلینڈ (Midland) کی ایک پبلک لائبریری میں جانے کا اتفاق ہوا تو رسالہ ''اسلامک ریویو'' کا ایک تازہ شمارہ دیکھا۔ ''اسلام کیا ہے؟'' کے عنوان سے اس رسالے

میں چند صفحے دیکھ کر مجھے فوراً پتہ چل گیا کہ یہی میرا مطلوبِ جستجو تھا۔

میں نے ان صفحات میں ایک ضابطۂ قوانین پڑھا جن پر عمل کرنے سے دنیوی اور دائمی کامیابی، ذہنی سکون اور دانش حاصل ہوسکتی ہے اور جن کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ ماضی کی غلطیوں کی تلافی کیسے کی جاسکتی ہے۔ میں نے ایک شاندار فلسفہ پڑھا جو بظاہر سادہ تھا مگر اس میں اتنی گہرائی بھی تھی جو زندگی بھر کے مطالعہ کو کافی تھی۔ یہ ضابطۂ قوانین روح کو اعمالِ صالحہ کی ترغیب دے کر اسے اس طاقتور نظامِ کائنات میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد میں نے باقاعدہ طور پر اسلام قبول کرلیا اور امام خواجہ نذیر احمد نے مجھے مشرف بہ اسلام کر کے اسلامی برادری کا رُکن بنایا۔ اس دن سے میں دنیا کے معاملات کو درست زاویۂ نگاہ یعنی اسلامی زاویۂ نگاہ سے دیکھنے لگا ہوں۔ اب میں دنیا کے مسلط کیے ہوئے جھوٹے عقائد اور مادیت پرستانہ آراء کی گرفت میں نہیں ہوں، جس میں وہ ہزاروں لوگ گرفتار ہیں جو سچ اور جھوٹ، غلط اور درست میں تمیز نہیں کرسکتے۔

آخری بات یہ ہے کہ اسلام خودغرضی کو گناہِ کبیرہ قرار دے کر اس سے منع فرماتا ہے اور یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر ایک بھائی تکلیف میں مبتلا ہو تو دوسرا اس سے لاتعلق ہو کر خوش نہیں رہ سکتا۔ ایک معروف مشرقی مفکر نے ایک دفعہ کہا تھا: ''ہمارا جذبۂ خدمتِ خلق زندگی میں ہمارے لیے روشنی کا چراغ ہے، خواہ ہمارا پیشہ کوئی بھی ہو۔'' اپنی روز مرّہ ضروریات پوری کرنے کے بعد اور اپنے مادی مستقبل کو محفوظ بنالینے کے بعد ہم سب مسلمانوں کو چاہیے کہ خدمت خلق کا کوئی نہ کوئی شعبہ اپنالیں۔ خدمتِ خلق کا کام کسی بھائی کا مادی بوجھ کم کر کے یا اس کی روحانی مدد کر کے کیا جاسکتا ہے، لیکن پہلے ہمیں اس کا تعین کرلینا چاہیے کیونکہ یہی ہمیں لازوال مسرت سے ہم کنار کرسکتا ہے اور دنیا و آخرت میں ہمارے وجود کا یہی جواز ہوسکتا ہے۔ [1]

[فضل کریم سانڈرز]

(Fazl Karim Saunders)

---

① اسلامک ریویو، نومبر، دسمبر 1935ء ج:23 ش:12,11، ص:403,402

میرا اسلام کا تجربہ

[اسلام قبول کرنے کے بعد مسٹر فریڈرک حمید اللہ بومین (Mr.Frederick Hameedullah Bowman) نے اگست 1939ء میں ''اسلام کا پیغام'' کے عنوان سے ایک لیکچر دیا۔ ان کا مضمون ''اسلام کا تجربہ'' پیش کرنے سے پہلے ہم ذیل میں ان کے قبولِ اسلام کا اقرار نامہ شائع کر رہے ہیں۔]

''میں فریڈرک حمید اللہ بومین ساکن لیور پول (Liverpool) (انگلینڈ) ایمان اور خلوص سے' بہ رضا و رغبت اعلان کرتا ہوں کہ میں صرف اور صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور میرا یہ ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ میں حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کا برابر احترام کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کروں گا۔ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه۔''

(ایف ایچ بومین)
(F.H.Bowman)

امام صاحب کی فرمائش پر مجھے اُن حالات کا مختصر بیان پیش کر کے خوشی محسوس ہو رہی ہے جن حالات میں پہلے پہل میں اسلام کی حقیقت سے آشنا ہوا۔ میری والدہ ایلس برتھا بومین (Alice Bertha Bowman) شاعرہ اور ناول نگار تھیں اور ان کی تحریریں شاہی خاندان سے بھی خراجِ تحسین حاصل کر چکی تھیں۔ کئی سال پہلے اُن کے مضامین اور نظمیں ''دی الٰہ آباد ریویو'' (The Allahabad Review) میں شائع ہوئیں۔ یہ جریدہ ہندوستان سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے ناشر سر بلند جنگ ایم حمید اللہ تھے جو بعد میں حیدر آباد دکن کے چیف جسٹس مقرر ہوئے۔ میں بچپن میں یہ رسالہ اور دوسرے جرائد جن میں میری والدہ کی تحریریں چھپتی تھیں' پڑھا کرتا تھا۔ اس طرح بچپن ہی سے میرے دل میں اپنا نام بھی چھپا ہوا دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

خاص طور پر میری والدہ کو "دی اینگلو انڈین ویکس ٹائمز" (The Anglo-Indian Week's Times)میں اُن کی کہانی " اے رومانس آف لینگولن" (A Romance of Leangollen) چھپنے پر انعام ملا تو میرا یہ شوق کچھ اور بڑھ گیا۔سکول میں' میں اپنی ادبی صلاحیت کو بروئے کار لایا اور سکول کے درجہ پنجم کے میگزین کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔سکول چھوڑنے سے پہلے ہی میری تحریریں اخبارات میں شائع ہونے لگیں۔مسٹر حمید اللہ جو اُس وقت وکیل تھے' میرے ادبی ارتقاء میں دلچسپی لینے لگے۔میں نے اُن کا نام اپنا قلمی نام بنا لیا۔افسوس کہ اب جبکہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے، میں اپنا پُر خلوص اظہارِ تشکر اُن کے بجائے اُن کے خاندان کو منتقل کر رہا ہوں۔ان کے نامور فرزند محمود اللہ ہوم سیکرٹری صوبہ جات متحدہ (ہندوستان) سے میری خط کتابت کا سلسلہ باقاعدہ جاری ہے۔مسٹر محمود اللہ اپنے قدیم دہلوی آباؤ اجداد کی بلند پایہ روایات کو نہایت خوبی سے نبھا رہے ہیں۔جب میں سکول میں پڑھتا تھا تو لیور پول (Liverpool) میں ایک مسجد تھی جہاں میں اپنی والدہ کے ہمراہ کئی اجتماعات میں شامل ہوا۔مجھے (اسلام سے) اتنی دلچسپی ہوگئی کہ میں گھر کے بنے ہوئے جبے (گاؤن) میں ملبوس ہو کر ایک صندوق پر چڑھ کر مقامی شیخ کے انداز میں اپنے ہمسایوں کے اجتماع کو اسلام کی حقانیت کی تعلیم دینے لگا۔لیور پول (Liverpool) کی مسجد رفتہ رفتہ بند ہوگئی اور کچھ عرصہ تک میرا اس دین سے رابطہ منقطع رہا۔میں سٹیج کے لیے ڈرامے لکھنے اور تھیٹر میں پیش کرنے لگا۔لندن کے ممتاز ناشرین سے میں نے اپنی کہانیاں اور سلسلہ وار ناول اور ڈرامے شائع کرائے۔فلموں کی کہانیاں لکھیں' کچھ فلموں میں اداکاری بھی کی اور بعض فلموں کے گیت بھی لکھے۔میں ہمیشہ حضرت محمد ﷺ کے مثالی کردار کو سامنے رکھتے ہوئے اذیت میں مبتلا جانوروں کا ہمدرد رہا۔آپ کی رحم دلی انتہائی نچلے درجے کی مخلوق تک پھیلی ہوئی تھی۔اب میں جانوروں کی خدمت کی انجمن (Animal Service Association) کا صدر ہوں جو میں نے باربردار جانوروں کے تحفظ کے لیے قائم کی ہے۔میرا تازہ ترین گیت "جنگ اور خواتین" (Women and War) امن کی اپیل ہے۔کچھ عرصہ سے میں اپنے اخبار کی ادارت کر رہا

ہوں جس کا نام "The Talking Picture News" ہے۔ جون 1934ء میں مجھے سینٹ جیمز پیلس (St. James's Palace) میں شاہ جارج پنجم کی خدمت میں پیش ہونے کا موقع ملا۔ اس سال میرے علم میں یہ بات آئی کہ ووکنگ (Woking) کی مسجد کے امام صاحب ساؤتھ پورٹ ریلیجئس کانفرنس (Southport Religious Conference) سے خطاب کریں گے۔ پس میں اُن کا خطاب سننے چلا گیا۔ بعد میں اُن سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ ہم نے وہاں نہایت دلچسپ گفتگو کی۔ مجھے امید ہے ہمارا آپس میں رابطہ رہے گا۔ میں لیور پول میں پیدا ہوا اور میرا خاندان مذہباً پروٹسٹنٹ تھا' تاہم میں نے ہمیشہ اپنی فکر کو آزاد رکھا اور اللہ عزوجل کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ مجھے ہمیشہ اچھا لگا۔ ①

[فریڈرک حمیداللہ بومین-لیور پول' برطانیہ]

(Frederick Hameedullah Bowman-Liverpool, U.K)

ایک ذی شعور انسان کا پسندیدہ دین

کئی سال سے عیسائی دنیا کے مذہبی جرائد میں مختلف فرقوں کی جانب سے یہ واویلا کیا جا رہا ہے کہ مذہبی حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں ہو رہی ہے۔ اور واقعی صورت حال ایسی ہے کہ عیسائی طبقۂ علماء کی سرگرمیوں اور سرتوڑ کوششوں کے باوجود لوگوں کی عیسائیت میں دلچسپی ہر سال کم ہوتی جا رہی ہے۔ لوگوں کی اس بے اعتنائی کی کئی وجوہات بتائی جاتی ہیں مگر اصل وجہ بتانے سے عموماً گریز ہی کیا جاتا ہے۔ خالق نے انسان کو ذہن استعمال کے لیے دیا ہے اور انسان اسے جتنا زیادہ استعمال کرے اتنا ہی اُس کا اعتماد اپنے ضعیف الاعتقاد اور غیر مہذب آباؤ اجداد کے نظریات سے اُٹھتا چلا جاتا ہے۔

قرونِ وسطیٰ میں ذہن سے کام لینے والے لوگ صرف پادری ہوا کرتے تھے۔ سب سے طاقتور ہتھیار ''علم'' صرف انہی کے ہاتھوں میں ہوتا تھا' یہاں تک کہ جو آدمی بھی لکھنا پڑھنا سیکھ

① اسلامک ریویو' مارچ 1940ء' ج:28' ش:3' ص:81-83

لیتا وہ ازخود دینی عالم ہونے کا دعویٰ کر دیتا' یعنی اسے پڑھا لکھا سمجھا جاتا اور کلیسا کے لیے جدوجہد (دینی نہیں بلکہ سیاسی اور مالی فوائد کے حصول کی جدوجہد) میں سرگرم علماء کی فہرست میں اس کا نام درج ہو جاتا۔ یہ جدوجہد دماغ اور جسم کی کشمکش تھی یا دوسرے لفظوں میں ایک طرف علم کی طاقت اور دوسری طرف جسمانی طاقت کے درمیان تصادم کی صورتِ حال تھی۔ تعلیم یافتہ لوگوں کا مقابلہ ان پڑھ سپاہیوں سے ہوتا تھا' ایک طرف عاقل اور فاضل تھے اور دوسری طرف نادان مسلح افراد' جس کا صرف ایک ہی نتیجہ ممکن تھا کہ چرچ (کلیسا) دولت میں کھیلتا رہا' لہٰذا جان (John) اور الیگزینڈر بورجیا (Alexander Borgia) جیسے لوگوں کو بھی پوپ کے منصب پر فائز ہونے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ یہ بات بہرحال تسلیم کرنی پڑے گی کہ طبقۂ علماء میں اچھے اور نیک لوگ بس گنتی کے تھے جو خلوصِ نیت سے اپنے پیروکاروں کو جنت کی راہ دکھانے کی کوشش کرتے' مگر اُن کی راہ میں بھی یہ ناقابل عبور رُکاوٹ حائل رہی کہ اُن کے خطبات کا متن لاطینی زبان میں ہوتا تھا جس کا کوئی مربوط جملہ ہزاروں کے اجتماع میں سے ایک فرد بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ مسئلہ بھی تھا کہ اگر کوئی آدمی اپنی سوچ سے کام لے کر' دی جانے والی دینی تعلیم کی صداقت کو چیلنج کرتا تو اسے موت کی نیند سلا دیا جاتا۔ چرچ کی صداقت کے متعلق سوال کرنے کی جرات ''انحراف'' شمار ہوتی تھی جس میں کلیسا کی طرف سے زندہ آگ میں جلا دینے کا حکم صادر ہوتا تھا۔ عیسائی دنیا میں اب بھی یہی صورت حال جاری ہے۔ رومن چرچ اپنی تعلیمات کی ''بے عیبی'' کے متعلق کسی کو سوال کرنے کی اجازت نہیں دیتا' اگرچہ اب سزاؤں کی صورت حال بہت مختلف ہے۔

جب تعلیم پر چرچ کی اجارہ داری جاتی رہی اور مشینی طباعت کے باعث کتابیں عام لوگوں کی دسترس میں آ گئیں تو پھر یہ ہوا کہ لوگ اپنی سوچ سے کام لینے لگے اور صدیوں بعد ہی سہی' لوگ بالآخر اُن پرانے قصے کہانیوں کی صداقت کو چیلنج کرنے لگے جن کو اتنا عرصہ چرچ سے باہر کسی نے چیلنج نہیں کیا تھا۔

سالہا سال بلکہ یوں کہیے کہ انیسویں صدی کے آخر تک فیشن کی خودسر دیوی کا یہ حکم چلتا رہا

کہ گرجے میں حاضری معاشرے کے لیے ضروری ہے مگر اب جبکہ سوچ کا انداز بدل گیا ہے تو ہم اتوار کو گرجے میں جمع ہونے والے بے مقصد عبادت گزاروں کے ہجوم کا کھوکھلا پن صاف دیکھ سکتے ہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ اب جو لوگ چرچ جاتے ہیں اُن میں خاصی تعداد کی گرجے میں حاضری اپنی جوانی کے دور کی عادت کے باعث ہوتی ہے نہ کہ کسی اخلاقی فائدے کی غرض سے۔

پھر بھی انسانیت کو بہر حال کسی نہ کسی صورت میں مذہب کی ضرورت تو ہے۔ آج کے دور میں ہر وقت تفریحِ طبع کا جو جنون دیکھنے میں آ رہا ہے اس کا کوئی نہ کوئی ردِّ عمل تو یقیناً ہوگا۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ کوئی بھی صاحبِ شعور انسان کسی ایسے مذہب کو قبول نہیں کر سکتا جو یہ کہے کہ ''جب تک آپ بعض انتہائی مشکوک حقائق پر ایمان نہ لے آئیں اور اپنے اللہ کے بارے میں ایک ناممکن سا تصور نہ اپنا لیں آپ کی نجات نہیں ہو سکتی۔'' ایسے مذہب کی مشکوک باتوں کے کوئی ثبوت فراہم نہیں کیے جاتے اور الٹا ناممکنات پر اندھا دھند ایمان لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے جبکہ ذی شعور لوگوں کو کسی ایسی بات پر رضا مند کرنا نامعقولیت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مسٹر برنارڈ شا (Bernard Shaw) کی اسلام کے غلبہ کی پیش گوئی[1] سچی ثابت ہونے والی ہے مگر ہم مسلمانوں کے لیے یہ ایک اچھا موقع ہے۔ دنیا ''اسلام جیسے دین'' کی طرف ہی راغب ہو سکتی ہے لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ اس کا رُخ خالص اور سادہ اسلام کی طرف موڑ دیں۔ جلد ہی حق کے متلاشی اتنے زیادہ ہو جائیں گے کہ تاریخ میں اس کی مثال ہی نہیں ملے گی۔ وہ پرانے مقبول عام نعروں سے مطمئن نہیں ہوں گے بلکہ ایک ایسے دین کا تقاضا کریں گے جو ان کے تمام سوالات کے جوابات دے اور اُن سے بچوں جیسا سلوک نہ کرے کہ وہ اپنی فرمائشیں شفیق باپ سے براہِ راست کرنے کی بجائے آیا کو وسیلہ بنائیں۔ میں پھر یہی کہوں گا کہ آیئے ہم مسلمان اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے تیار ہو جائیں۔

---

[1] جارج برنارڈ شا (1856ء تا 1950ء) شہرۂ آفاق انگریزی ڈراما نگار تھا۔ اس نے پیشگوئی کی تھی کہ اگلی صدی اسلام کی ہوگی۔ (م ف)

ذاتی طور پر میں حق کے متلاشی گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرے پردادا ڈاکٹر پائی سمتھ (Dr.Pye-Smith) نے 1843ء میں بائبل اور علم الأرضیات کے باہمی ربط و تعلق پر اپنی مشہور کتاب شائع کی جس پر انہیں شدید مذمّت کا سامنا کرنا پڑا۔ کئی لوگوں نے انہیں مذہب کا دشمن قرار دیا مگر انہوں نے سچائی کا راستہ بہرحال دکھا دیا۔ آج کوئی بھی آدمی اس موضوع پر اُن کے خیالات سے سنجیدگی کے ساتھ اختلاف نہیں کرسکتا' جیسا کہ اس وقت انہیں انقلابی قرار دیا گیا تھا۔ میں خود بھی چرچ آف انگلینڈ کے مطابق مذہبی تربیت پانے کے باوجود یا شاید اسی تربیت کے خلاف ردعمل کے طور پر عیسائی نظریات سے مطمئن نہ رہ سکا۔ ملایا (ملائیشیا) میں اچھے مسلمانوں کے قریب رہ کر میں اسلام کی حقیقت کا کھوج لگانے سے باز نہ رہ سکا تا آنکہ مجھے حتمی طور پر یہ یقین ہوگیا کہ میرے تمام سوالات کا جامع جواب اسی دین کے پاس ہے اور یہ وہ جواب ہے جو اللہ عزوجل کی طرف سے آیا ہے اور عیسائیت ان سوالات کا جواب دینے سے گریزاں ہے۔[1]

[جیفرے ایچ آر پائی سمتھ' اسلامی نام: جعفر بن داود]
(Geoffrey H.R.Pye-Smith-Islamic name, Ja'far bin Dawud)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

بچپن ہی سے میرے دل میں اسلام کے بارے میں مکمل واقفیت حاصل کرنے کی تڑپ موجود تھی اور میں نے بڑی احتیاط سے قرآن حکیم کا ایک ترجمہ اپنے آبائی شہر کی لائبریری سے لے کر پڑھا۔ یہ 1750ء کا ترجمہ تھا اور یہ قرآن پاک کا وہ ایڈیشن تھا جس سے گوئٹے (Goethe) نے بھی اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اس وقت میں اسلامی تعلیمات کی بدرجۂ اَتم معقولیت اور مؤثر اندازِ بیان سے بے حد متاثر ہوا۔ میں اس زبردست روحانی انقلاب سے بھی بہت متاثر ہوا جو ان تعلیمات سے اس دور کی اسلامی اقوام میں برپا ہوا

① اسلامک ریویو' جون 1931ء' ج:19' ش:6' ص:185-187

تھا۔ بعد میں برلن (Berlin) میں مجھے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے اور برلن کی مسجد اور برلن میں پہلے اسلامی مشن کے بانی سے قرآن پر فکر انگیز اور ولولہ خیز تبصرہ سننے کا اتفاق ہوا جس سے میں مزید متاثر ہوا۔ اس نمایاں شخصیت کے ساتھ کئی سال تک عملی تعاون کرنے اور ان کی روحانی محنت سے میں مسلمان ہو گیا۔ اسلام نے میرے ذاتی نظریات کو انسانیت کے متعلق انتہائی پُر مغز تصورات سے آشنا کر کے مزید تقویت فراہم کی۔ اسلام میں اللہ پر ایمان ایک پاکیزہ بنیادی عقیدہ ہے۔ اسلام ایسے نظریات سے خالی ہے جو جدید سائنس سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس لیے اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی تصادم نہیں۔ یہ ایک بے مثال خوبی ہے اور اس آدمی کے لیے یہ دین بہت فائدہ مند ہے جو سائنسی تحقیق میں حسبِ صلاحیت کام کرنا چاہتا ہو۔ اسلام کی برتری کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کی تعلیمات محض تصورات پر مبنی نہیں جو عملی زندگی سے لگا نہ کھاتی ہوں' بلکہ یہ ایک ایسا نظامِ تعلیم ہے جو انسان کی زندگی کو عملاً متاثر کرتا ہے۔ اسلام کے قوانین شخصی آزادی کو سلب کرنے والے سخت قوانین نہیں بلکہ ایسی ہدایات ہیں جو منظّم آزادی فراہم کرتی ہیں۔ سالہا سال تک میں یہ دیکھ کر مطمئن ہوں کہ اسلام ہی انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ایک توازن اور ایک رابطہ قائم کرتا ہے۔ یہ دین تعصب سے خالی اور رواداری سے مالا مال ہے۔ یہ اچھائی کو پسند کرتا ہے خواہ وہ کہیں سے بھی ملے۔ [1]

[ڈاکٹر حامد مارکس' سائنسدان' مصنف' صحافی - جرمنی]

(Dr. Hamid Marcus, Scientist, Author and Journalist-Germany)

میرا قبولِ اسلام

[پروفیسر ہارون مصطفےٰ لیون (Leon) پی ایچ ڈی' ایل ایل بی' ایف ایس پی' نے 1882ء میں اسلام قبول کیا۔ آپ یورپ اور امریکہ کی کئی علمی انجمنوں سے وابستہ رہے اور ان کے اعزازی

---

[1] اسلام' دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن' :126,125

رکن رہے۔ آپ ایک قابل ماہر لسانیات تھے اور اس وقت (1) "Isle of Man Examiner" نامی جریدے میں انسانی زبانوں کی درجہ بندی پر سلسلہ وار مضامین لکھ رہے تھے۔ علاوہ ازیں آپ نے اسلامک ریویو اور اسلامک کلچر کے لیے بھی کئی مضامین لکھے۔ سائنس کی اس اہم شاخ (لسانیات) میں آپ کی خدمات کا اعتراف بڑے بڑے علمی اداروں نے کیا۔ امریکہ کی پوٹو میک یونیورسٹی (Potomac University) نے آپ کو ایم اے کی ڈگری جاری کی۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک مستند ماہر ارضیات بھی تھے۔ آپ اکثر مختلف علمی اور ادبی انجمنوں میں سائنس اور ادب کے موضوعات پر لیکچر دیا کرتے تھے۔ آپ "La Societe Internationale de Philologie, Sciences et Beaux-Arts" کے سیکریٹری جنرل کے اہم عہدے پر فائز رہے۔ یہ سوسائٹی 1875ء میں قائم ہوئی تھی۔ آپ لندن سے شائع ہونے والے سائنسی جریدے Philomathe کے مدیر بھی رہے۔ ڈاکٹر لیون کو عثمانی سلطان عبدالحمید خان اور آسٹریا کے فرمانروا نے کئی اعزازات سے نوازا۔ (ایڈیٹر)]

اسلام کی ایک شان یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد عقل پر ہے' لہٰذا یہ اپنے پیروکاروں سے اس نعمت عظمیٰ کو ترک کر دینے کا تقاضا کبھی نہیں کرتا۔ بعض دوسرے مذاہب اس کے برعکس اپنے پیروکاروں کو ذاتی تحقیق اور اطمینان کے بغیر کچھ نظریات کو محض چرچ کے حکم پر قبول کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسلام تحقیق کی دعوت دیتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ کسی بات کو قبول کرنے سے پہلے مطالعہ' تحقیق اور چھان بین کر لیا کریں (کہ واقعی یہ حکم ثابت ہے یا نہیں)۔

نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ نے عقل سے بہتر کوئی چیز نہیں بنائی۔ انسان کو تمام فوائد اسی وجہ سے حاصل ہوتے ہیں اور عقل ہی سے سمجھ پیدا ہوتی ہے۔'' (2)

---

(1) ''آئل آف مین'' (Isle of Man) انگلستان اور آئرلینڈ کے درمیان بحیرۂ آئرش میں واقع ایک جزیرہ ہے۔ (م ف)

(2) مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں مل سکی البتہ اس کے ابتدائی الفاظ کا مفہوم تاریخ ابن عساکر: 454/11 میں ہے۔ اس کے الفاظ یوں ہیں: (مَا خَلَقَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ خَلْقِهٖ شَيْئًا هُوَ اَحَبُّ اِلَيْهِ

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

مِــنَ الْـعَـقْـلِ) ''اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز پیدا نہیں کی جو عقل سے بڑھ کر اللہ کو محبوب ہو۔'' (تاریخ ابن عساکر: 454/11)

عقل کے متعلق یہ حدیث اور دیگر تمام احادیث ضعیف یا موضوع ہیں۔ دراصل اہل فلسفہ' اہل منطق اور عقل پرست لوگوں نے قرآن پاک اور احادیث نبویہ سے اپنی خواہشات کے مطابق مفہوم نکالنے اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ دین وشریعت میں عقل کا استعمال مستحسن ہے مختلف قسم کی احادیث وضع کیں اور ایسی موضوع اور باطل احادیث پر مشتمل کتب تصنیف کیں۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کتاب العقل'' کے نام سے چار آدمیوں نے کتابیں گھڑی ہیں۔ سب سے پہلے میسرہ بن عبدربہ نے عقل کے متعلق احادیث پر مشتمل ایک کتاب وضع کی، پھر اس سے داود بن محبر نے چوری کی اور ان احادیث کو میسرہ کی سندوں کے علاوہ دیگر اسناد سے ملا دیا، پھر انھیں عبدالعزیز بن ابورجاء نے چوری کیا اور ان میں مزید سندیں ملا دیں، پھر سلیمان بن عیسیٰ سجزی نے انھیں چوری کیا اور ان میں اپنی سندیں بیان کیں۔''

نیز ایک جگہ فرماتے ہیں: [قد رویت في العقل احادیث کثیرة لیس فیها شیئ یثبت] ''عقل کے متعلق بہت زیادہ احادیث روایت کی گئی ہیں لیکن ان میں سے ایک بھی حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔''

امام ابن حبان پر اگرچہ یہ الزام ہے کہ وہ اہل فلسفہ میں سے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں: لست احفظ عن رسول اللہ ﷺ خبرا صحیحاً في العقل] ''مجھے عقل کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کوئی بھی صحیح حدیث یاد نہیں پڑتی۔''

پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے تقریباً 10 ایسے راویوں کا ذکر کرتے ہیں جو عقل کے متعلق احادیث بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''یہ تمام راوی اور دیگر راوی جو اس قسم کی روایات بیان کرتے ہیں سب ضعیف ہیں۔''

امام عقیلی فرماتے ہیں: ''عقل کے معاملے میں کوئی بھی چیز رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جس شخص نے بھی عقل کے متعلق واردشدہ احادیث وآثار میں غور وفکر کیا ہے اس کے لیے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ان احادیث وآثار کی بنیاد کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ ان میں تحریف بھی کی گئی ہے۔''

مندرجہ بالا تمام اقوال امام ابن تیمیہ ہی کے بیان کردہ ہیں۔ ان اقوال کو بیان کرنے کے بعد فرماتے

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَالْجِهَادِ حَتَّى ذَكَرَ سِهَامَ الْخَيْرِ وَمَا يُجْزِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلاَّ بِقَدْرِ عَقْلِهِ»

''بے شک انسان نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ سب فرائض ادا کرتا رہے مگر روز قیامت

ہیں: [هذا اتفاق اهل المعرفة على بطلان هذا الحديث] ''یہ عقل کے متعلق حدیث کے بطلان پر علل حدیث کے ماہرین کا اتفاق ہے۔'' (بغية المرتاد: 251,243,181,171/1)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [احاديث العقل كلها كذب] ''عقل کے متعلق تمام تر احادیث جھوٹی اور موضوع ہیں۔'' (المنار المنيف' ص:66)

امام ابن جوزی عقل کے متعلق بعض احادیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''عقل کے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی بھی حدیث ثابت نہیں ہے۔ اور ان کو روایت کرنے والے تمام راوی متروک ہیں۔ وہ احادیث گھڑتے تھے اور پھر ایک دوسرے سے چوری کر کے ان کی سندیں تبدیل کر دیا کرتے تھے' لہٰذا ان سب کو یہاں بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔'' (كتاب الموضوعات: 123/1)

مذکورہ بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل کی بابت تمام احادیث باطل ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے لفظ عقل کے متعلق بڑا لطیف نکتہ بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''لفظ ''عقل'' ایک ایسا اسم ہے جس کا قرآن پاک میں کوئی وجود نہیں ہے۔ قرآن میں اس کے دیگر مشتقات مثلاً: تعقلون 'يعقلون' وغیرہ کا تذکرہ تو ملتا ہے لیکن اسم عقل کا استعمال قرآن میں نہیں ہے بلکہ قرآن میں عقل کے لیے حجر 'نُهٰى' الباب وغیرہ جیسے اسماء استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح صحیح حدیث میں بھی صرف ایک جگہ (صحیح البخاری: حدیث:304) عقل بطور اسم استعمال ہوا ہے اور وہاں بھی بطور نقص استعمال ہوا ہے۔ دراصل عقل مصدر ہے جس کا معنی یاد رکھنا اور جس چیز کو آدمی جانتا ہو اسے (ضائع ہونے سے) روک کر رکھنا ہے۔ اسی سے لفظ عقال (وہ رسی جس سے اونٹ کا گھٹنا باندھا جاتا ہے) مشتق ہے کیونکہ وہ اونٹ کو ادھر ادھر جانے سے روکتی ہے اور ایک جگہ باندھے رکھتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ضبط علم کو عقال سے تشبیہ دی ہے' فرمایا: [اِسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ' فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ' لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُورِ الرِّجَالِ' مِنَ النَّعَمِ مِنْ عُقُلِهَا] ''قرآن کو بار بار پڑھا کرو' اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اونٹ کے اپنے رسی سے نکل کر بھاگ جانے سے بڑھ کر قرآن لوگوں کے سینوں سے نکلنے والا ہے۔''

(اللہ تعالیٰ) اُس کو اس کی عقل کے بقدر ہی صلہ دے گا۔"①

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب تمثیلی اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ بھی اسلام کے مطابق ہے اور یہ قول بھی کہ "ہر بات کا ثبوت تلاش کر لیا کرو اور پھر ان میں سے اچھی باتوں کو اپنا لو۔"

جو لوگ اندھا دھند تقلید کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل کا استعمال کر کے عمل نہیں کرتے انہیں قرآن حکیم کی سورۃ الجمعہ (آیت:5) میں کتابوں سے لدے ہوئے گدھے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خلیفۂ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مسلمانوں کا ایمان ہے کہ اسلام سچائی کا دوسرا نام ہے اور سچائی تک رسائی اسلام کے شان دار اور ہمیشہ فروزاں رہنے والے سورج کی روشنی اور علم کی مدد ہی سے ممکن ہے لیکن علم حاصل کر کے سچائی تک پہنچنے کے لیے عقل کا استعمال ضروری ہے۔"②

اس موضوع پر سب سے زیادہ معنی خیز بات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے ارشاد فرمائی جب عظیم الشان سلسلۂ انبیاء علیہم السلام کے آخری رسول جن کو اللہ نے اپنے رحم و کرم سے سچائی اور

(مسند احمد: 417/1' حدیث:3960) لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ عقل کا اطلاق علم کے مطابق عمل کرنے پر ہوتا ہے۔ (بغیة المرتاد: 243/1-251) مندرجہ بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل کے متعلق تمام احادیث عقل پرست اور جھوٹے لوگوں نے وضع کی ہیں۔ (عبدالرحمٰن)

① المعجم الاوسط:215/2 و مجمع الزوائد: 61/8۔ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں منصور بن صقیر نامی راوی ہے جس کے متعلق ابن معین نے "لیس بالقوی" کہا ہے نیز اس کی سند سے اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ نامی راوی ساقط ہے جو کہ متروک راوی ہے۔
لہٰذا یہ روایت شدید ضعیف ہے اور معجم الاوسط کے محقق نے بھی اسے ضعیف الاسناد کہا ہے۔ نیز اس روایت کو امام سیوطی نے موضوع احادیث کے متعلق اپنی کتاب "اللآلیء المصنوعة" (115/1) میں اور امام ابن جوزی نے "کتاب الموضوعات" (119/1) میں بیان کیا ہے۔ (عبدالرحمٰن)

② حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مجھے نہیں مل سکا لیکن ائمۂ کرام کی آراء کی روشنی میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ عقل کے متعلق تمام احادیث و آثار ضعیف یا موضوع ہیں۔ (عبدالرحمٰن)

نیکی کا پیغام بر بنا کر بھیجا تھا' اپنے حجرے میں اپنی محبت شعار زوجہ کے زانو پر سر رکھے لیٹے ہوئے تھے۔ مدینہ کے اہلِ ایمان مرد' عورتیں اور بچے اللہ کے' آخری رسولِ امین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی چٹائی کے گرد عیادت کے لیے جمع تھے۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اسلام کے انتہائی دلیر اور پختہ کار مجاہدوں کے رخسار بھی آنسوؤں سے تر تھے۔ اُن کے قائد' دوست' محبوب' معلم اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کے رسول ﷺ جنہوں نے اُن لوگوں کو وہم و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر حق کی روشن راہ دکھائی تھی' انہیں امن و سلامتی والے دین اسلام سے روشناس کرایا تھا' اب اُن سے جدا ہو رہے تھے۔ اس لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی کہ اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے رواں تھے اور ان کے دل بوجھل اور اداس تھے۔ پریشانی بلکہ مایوسی کے عالم میں ایک صحابی نے بے ساختہ کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ بیمار ہیں۔ اگر آپ انتقال فرما گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟''

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے پاس قرآن حکیم جو ہے۔''

''جی ہاں' مگر اللہ کے رسول! اس کتابِ ہدایت کے ہوتے ہوئے بھی ہمیں کبھی کبھی آپ سے مشورہ' نصیحت یا ہدایات لینا پڑتی تھیں۔ اگر آپ ہم سے دور ہو گئے تو ہماری رہنمائی کون کرے گا؟''

جواب ارشاد ہوا: ''میرے قول و فعل کو رہنما سمجھ کر اُسی کے مطابق عمل کرنا۔''

''مگر اے اللہ کے رسول! آپ کے جانے کے بعد کوئی ایسی نئی صورت حال بھی پیدا ہو سکتی ہے جیسی پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی ہو تو اس وقت ہم کیا کریں؟ اور ہمارے بعد آنے والے لوگ (آپ کی رہنمائی کی عدم موجودگی میں) کیا کریں؟''

آپ ﷺ نے آہستگی سے اپنا دستِ مبارک اور سر اُٹھایا' آپ کے رُخِ انور سے پیغمبرانہ شان جھلک رہی تھی اور آنکھوں میں ذہانتِ نبوی کی چمک دکھائی دے رہی تھی۔ آپ نے بآواز بلند فرمایا: ''اللہ نے ہر انسان کو رہنمائی کے لیے عقل اور ضمیر عطا کیا ہے۔ سو تم لوگ عقل اور ضمیر کو ہر معاملہ میں استعمال کرو گے تو اللہ کی رحمت تمہاری رہنمائی کرے

گی۔''①②

[پروفیسر ہارون مصطفیٰ لیون]

(Prof. Haroun Mustapha Leon)

میں کیوں مسلمان ہوا؟

یہ بیان لکھتے ہوئے میرا یہ ہرگز ارادہ نہیں کہ مذاہب کے تقابل پر کوئی لمبی چوڑی بحث پیش کروں اور نہ میرا مقصد اسلام کا تنقیدی جائزہ لینا ہے۔ اس کی بجائے میں اپنے قبولِ اسلام کے بارے میں ایک جامع وضاحتی بیان دینا چاہتا ہوں۔

میری ابتدائی تربیت عیسائی عقیدے کے مطابق ہوئی مگر اس تربیت کی وجہ بدقسمتی سے میری عیسائی گھرانے میں پیدائش تھی کیونکہ بچوں کی تعلیم وتربیت عام طور پر والدین کے مذہب کے مطابق ہی ہوتی ہے اور بعد میں ہم اس مذہب کو ہی حقیقی دین سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ تاہم عجیب بات یہ ہے کہ ہم اور تو ہر چیز کو خوب چھان پھٹک کر دیکھنے کے بعد ہی قبول کرتے ہیں مگر مذہب اور بالخصوص عیسائیت کے نام لیوا اسے آنکھیں بند کر کے قبول کر لیتے ہیں۔

مسیحی بائبل جو عیسائیت کی نصابی کتاب ہے' اسے میں نے کئی بار پڑھا ہے۔ میرے خیال میں شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو اس میں مذکور ہولناک خون ریزی' تباہی' حرام کاری' زنا بالجبر اور فحاشی سے لبریز واقعات پڑھ کر کانپ نہ اُٹھتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بائبل پڑھ کر انسان عیسائیوں کے ''خدا'' کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

تقریباً ہر عیسائی گھرانے میں بائبل موجود ہے مگر اسے عموماً سامانِ آرائش کے طور پر گھر میں رکھا جاتا ہے۔ اگر بائبل کا کوئی ناشر کتاب کے اوراق کی کٹائی کیے بغیر یہ کتاب تقسیم کر دے تو

---

① مجھے یہ حدیث نہیں مل سکی لیکن اس کے متعلق اجمالی بحث چند صفحات قبل گزر چکی ہے کہ عقل کے متعلق تمام احادیث وآثار ضعیف یا موضوع ہیں۔ (عبدالرحمٰن)

② اسلام دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن' ص: 119-121

مدتوں کتاب اسی حالت میں پڑی رہے گی کیونکہ اسے کھول کر کوئی نہیں دیکھے گا۔

چارلس فرانسس پوٹر ڈی ڈی (Charles Francis Potter D.D.) نے اپنی کتاب "The Story of Religion" میں لکھا ہے:

''مسیحی بائبل کو تو شاید امریکہ میں کوئی نہ جانتا ہو مگر قرآن کریم وہ کتاب ہے جسے ہر مسلمان پڑھتا ہے۔'' ہاں واقعی عیسائیوں کو یہ فائدہ ضرور حاصل ہے کہ اُن کی کتاب سب کے لیے اجنبی ہے۔ (وہ نہیں جانتے کہ اس میں کیا کیا ہولناک باتیں لکھی ہیں۔) مجھے عیسائیت سے برگشتہ کرنے کا پہلا سبب بائبل ہی تھی۔

عیسائیت سے جب مجھے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تو میں نے دنیا کے دوسرے مذاہب کا مطالعہ شروع کیا اور ان کے علاوہ جو دوسرے نظام اور فلسفہ ہائے حیات تھے اُن کو بھی پڑھا۔ اس تمام تر مطالعے کا نتیجہ لادینیت اور دہریت کی صورت میں رونما ہوا۔ تاہم میرا یہ ایمان ہے کہ انسان کے اندر فطری طور پر ایک خاص قسم کا یقین موجود ہوتا ہے جس کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں اور جو ہمیشہ انسان سے کہتا رہتا ہے کہ ایک رب موجود ہے جو کائنات کا خالق اور مالک ہے' مگر یہ رب ایسا نہیں ہو سکتا جو ظلم' خونریزی اور ہوسناکی کو پسند کرے۔ اسی اندرونی یقین نے مجھے مذاہب کے مزید مطالعے پر آمادہ کیا۔ مجھے دین اسلام میں خاص کشش محسوس ہوئی کیونکہ یہ قرینِ عقل ہے' فحاشی اور بے حیائی سے پاک ہے اور انسان کو قائل کرنے میں جبر سے کام نہیں لیتا۔

میرے علم میں ہے کہ اسلام انسان کی عقل کو متاثر کرتا ہے۔ یہ بدھ مت کی طرح مایوسی پیدا نہیں کرتا۔ یہ شنطو ازم (جاپان کا قدیم مذہب جس میں مظاہر پرستی' بلکہ ارواح پرستی بھی کی جاتی تھی) یا کنفیوشزم (چینی فلسفی کنفیوشس کے نظریات) کی طرح الوہیت سے خالی ہے نہ یہ دولت کی پیداوار ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ حصولِ علم کی دعوت دیتا ہے اور حصولِ علم میں حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ تاریخ کے صفحات ایسی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں کہ عیسائیت نے تہذیب اور ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔

نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے:

«مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ، وَإِنَّ طَالِبَ الْعِلْمِ يَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، حَتَّى الْحِيتَانِ فِي الْمَاءِ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ»

''جو کوئی علم کی جستجو کا راستہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دیتا ہے اور فرشتے اس کی خوشی کے لیے اپنے پر اس کی راہ میں بچھا دیتے ہیں اور طالب علم کے لیے زمین و آسمان میں بسنے والی تمام مخلوقات حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی اس کی بخشش کی دعا کرتی ہیں اور بے شک عالم کو عابد (عبادت کرنے والے) پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح چودھویں کے چاند کو ستاروں پر فضیلت حاصل ہے۔''[1]

ایک لادین شخص جوزف مکیب (Joseph Mccabe) نے اپنی کتاب Religious Controversy (مذہبی بحث) میں لکھا ہے کہ ''سائنس کی کوئی ایسی شاخ نہیں جو مسلمانوں کی ممنونِ احسان نہ ہو۔''

میں کسی جھجک کے بغیر یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر مغربی دنیا میں اسلام بہتر طور پر متعارف ہو جائے تو دنیا اس کے پیروکاروں کی تعداد میں اضافے پر حیران رہ جائے۔ اس کے بہتر طور پر متعارف نہ ہو سکنے کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کے بارے میں مستند یا تعصب سے پاک لٹریچر

---

[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، حديث : 223 و سنن الترمذي، العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، حديث : 2682 و ذكره البخاري مختصراً و معلقاً، العلم، باب العلم قبل القول والعمل، و سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث : 3641

بہ آسانی دستیاب نہیں ہوتا۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ وقت اس صورتِ حال کی اصلاح کر دے گا۔

اس مضمون کو ختم کرتے ہوئے میں لاکھوں اہلِ ایمان کے ساتھ مل کر کلمہ طیبہ [لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ] پڑھتے ہوئے بہت خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ ①

[ہیری ای ہائنکل]
(Harry E.Heinkel)

میں نے اسلام کا انتخاب کیسے کیا؟

اسلام سے میرا تعارف آج سے پانچ سال قبل اس وقت ہوا جب میں نے ایک جلسۂ عام میں ایک مسلمان کو اپنے دین کی وضاحت کرتے ہوئے سنا۔ سامعین میں شامل ہونے کا میرا اصل مقصد اُس کا مذاق اُڑانے والوں کی طنزیہ باتوں سے محظوظ ہونا تھا' مگر مقرر کے حُسنِ بیان سے میں اتنا متاثر ہوا کہ مجھے اس موضوع سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور میں ایسے جلسوں میں بڑے ذوق وشوق سے شامل ہونے لگا۔

تھوڑے ہی عرصے بعد مجھے ''اسلامک ریویو'' کے چند شمارے ملے جنہوں نے میرے علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ میرے دل میں اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کا شوق پیدا کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے ایک مسلمان کا قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا تو کارآمد نصائح' ولولہ انگیز عبارتیں اور روزمرہ زندگی کے بارے میں دانش مندانہ اور قابلِ عمل ہدایات پڑھ کر حیران رہ گیا۔ میں حیران ہو کر سوچنے لگا کہ عیسائی مذہب میں مجھے نبیؐ اکرم ﷺ کے بارے میں غلط باتیں بتائی گئی ہیں اور اس حیرت انگیز دین (اسلام) کے بارے میں مجھے سچی باتیں کیوں نہ بتائی گئیں؟

قدرتی طور پر مجھے اس کتاب عظیم (قرآن) میں درج چند قوانین' تنبیہات اور بشارتیں یاد ہو گئیں اور اس کے بعد جب کبھی مسلمانوں سے ملاقات ہوتی تو میں یہ دیکھنے کی کوشش کرتا کہ کیا

① اسلامک ریویو' اگست: 1932ء' ج: 20' ش: 8' ص: 257-259

وہ لوگ ان باتوں پر عمل کرتے ہیں اور پورا پورا عملی نمونہ ہیں؟ وہ کبھی اونچی آواز میں نہیں بولتے، کسی کی بات نہیں کاٹتے، شدید دباؤ کی حالت میں غصے پر ہمیشہ قابو پالیتے ہیں، ہمیشہ ایک دوسرے کی مدد کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں اور مسلمان خواتین ہمیشہ اسلامی تقاضوں کے مطابق لباس پہنتی ہیں۔ ایک موقع پر میں نے کئی نوجوانوں کو بڑی فکر مندی سے یہ بحث کرتے سنا کہ ''کہیں رقص سے قرآن کریم کے فلاں حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہوگی؟'' اُن کے اس خلوص اور اس قدر جانفشانی سے اسلام کے اصولوں کی پابندی نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس دین کے بارے میں مزید معلومات حاصل کروں گا۔ مزید مطالعہ سے مجھے یہ علم ہوا کہ اگر خلوصِ دل سے اس پر عمل کیا جائے تو اسلام انسان کے دماغ اور جسم دونوں کو سلامتی فراہم کرتا ہے (سلامتی کا مفہوم لفظ اسلام ہی میں شامل ہے) اور ایک مکمل سماجی نظام مرتب کرنے کا سامان بہم پہنچاتا ہے۔ یوں اس عقیدے سے میری محبت روز بہ روز بڑھنے لگی۔

میرا قبولِ اسلام اسی دلی محبت کا نتیجہ ہے اور میں یہ قدم اٹھا کر بہت خوش ہوں۔ میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے مسلمان بھائی بہنوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی پُر خلوص محنت اور اسلام کے مقدس مقصد کی خاطر قربانیوں سے مجھے مدد ملی اور حوصلہ افزائی ہوئی۔ اللہ مجھے اس اُمت کا ایک مفید رکن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔[1]

[حسن وی میتھیوز]
(Hassan V.Matthews)

میں نے احمدیت (مرزائیت) کو کیوں ترک کیا؟

میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے ہرگز احمدیت یا اس کے پیروکاروں سے کوئی ذاتی عناد نہیں ہے۔ میں دل سے یہ بات مانتا ہوں کہ اپنے دین اور ایمان کے بارے میں ہر انسان انفرادی طور پر اپنے رب کے سامنے جواب دہ ہے۔ میرا بنیادی مقصد یہاں واضح الفاظ میں یہ

---

① اسلامک ریویو، مارچ: 1941ء، ج: 29، ش: 3، ص: 82

اعلان کرنا ہے کہ میرے علم کے مطابق احمدیت اسلام نہیں ہے۔ یہ بات کہنا اس لیے ضروری ہے کہ نائیجیریا میں احمدیت کے ایک پیروکار کو میں نے بار بار یہ کہتے سنا کہ ''میرے (ڈاکٹر اسماعیل کے) احمدی ہونے کی وجہ سے انہوں نے احمدیت قبول کی تھی۔'' لہٰذا جب مجھے احمدیت کی حقیقت معلوم ہوگئی تو یہ بات میرے لیے ایک بھاری ذمہ داری بن گئی اور میری یہ تحریر اسی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی ایک کوشش ہے۔ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ہدایت سے نوازا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَـٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ ﴾ (النحل: ١٦/ ١٢٥)

''(اے نبی!) انسانوں کو دانائی (وحی والہام ربانی جو قرآن وحدیث کی صورت میں ہے) اور خوش گفتاری سے دین کی دعوت دیجیے اور اُن سے اچھے طریقے سے بحث کیجیے۔ بے شک آپ کا رب سب سے زیادہ جانتا ہے کہ کون گمراہ اور کون ہدایت یافتہ ہے۔''

اس تحریر سے میرا مقصد احمدیت کے بارے میں حقیقت حال سے واقفیت کے خواہاں حضرات کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کرنا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے حق بات سمجھنے کی توفیق عطا کر دے اور انہیں سیدھا راستہ دکھا دے۔ ایسے لوگوں کے لیے میری یہ دعا ہے کہ اللہ اُنہیں سمجھ عطا کرنے اور سیدھا راستہ دکھانے کے بعد غلط راستہ ترک کرنے کی بھی ہمت عطا کر دے تا کہ وہ گمراہی کے راستے پر مزید آگے نہ جا سکیں۔

ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِـَٔايَـٰتِ رَبِّهِۦ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَآ ۚ إِنَّا مِنَ ٱلْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾ ﴾ (السجدة: ٣٢/ ٢٢)

اور اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جس کو اللہ کی آیات (ثبوت، شہادتیں، اسباق، علامات، الہامات، وغیرہ) یاد دلائی جائیں تو وہ اُن سے منہ پھیر لے؟ بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔''

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾ ﴾ (الکھف: ۱۸/ ۱۰۳-۱۰۶)

''(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجیے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ بہ اعتبار اعمال کے سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ وہ لوگ جن کی اس دنیا میں تمام محنت ضائع ہو گئی اگر چہ وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ بہت اچھے اعمال کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کی آیات اور اُس سے ملاقات کے منکر ہیں۔ لہٰذا اُن کے اعمال ضائع ہو گئے اور یوم حساب ہم ان کو کوئی وزن نہیں دیں گے۔ ان کا صلہ جہنم ہوگا کیونکہ انہوں نے کفر اختیار کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔''

مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کے خلاف ایک عالمگیر تحریک کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہندوستان کے باسی مرزا غلام احمد نے 1908ء میں وفات سے قبل اپنی ذات اور اپنے پیروکاروں کو عام لوگوں سے ممیّز کرنے کے لیے اپنے مذہب کا نام احمدیت رکھا تھا۔ یہ تحریک بنیادی طور پر ان مسلمانوں کی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ احمدی خفیہ طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اُن کے حقوق پر قبضہ جمانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں یہ جدوجہد زیادہ اہمیت کی حامل ہے کیونکہ احمدیت کا ضرر دنیا بھر میں سب سے زیادہ شدت کے ساتھ پاکستان ہی میں محسوس کیا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں احمدیت صرف لوگوں کے دین ہی نہیں بلکہ سیاست پر بھی اثر انداز ہو رہی ہے۔

جیسا کہ پاکستان کے مکمل نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' ہی سے ظاہر ہے کہ یہ ملک اسلام کی بنیاد پر تخلیق کیا گیا ہے لہٰذا اس کے آئین میں دیگر باتوں کے ساتھ ساتھ یہ شرط بھی رکھی گئی ہے کہ ملک کا سب سے بڑا سیاسی اور انتظامی سربراہ صرف مسلمان ہی بن سکتا ہے۔ آئین میں یہ حکم مذہبی تعصب کی بنا پر نہیں رکھا گیا بلکہ اس کا اصل مقصد پاکستان کے ریاستی یا سرکاری دین اسلام کے مفادات کا تحفظ ہے۔

یہ شق بلا شبہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے اور اس بنا پر رکھی گئی ہے کہ پاکستانی مسلمان روز اول ہی سے اپنی حکومت سے پُرزور مطالبہ کرتے چلے آ رہے ہیں کہ احمدیوں کو اقلیّت (بلکہ کافر و مرتد) قرار دیا جائے اور اُنھیں اُن دوسری تمام اقلیتوں میں شامل کیا جائے جن میں سے کوئی بھی فرد اس ملک کا صدر یا وزیر اعظم نہیں بن سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا بھر میں مسلمانوں کی بھاری اکثریت احمدیت کو اسلام کا حصہ سمجھتی ہے نہ احمدیوں کو مسلمان تسلیم کرتی ہے۔ آیئے احمدیت (مرزائیت) کے خلاف دنیا بھر کے مسلمانوں کے موقف کا تجزیہ کریں۔

بچپن میں مجھے اُن احمدی واعظین اور مبلغین کا احترام کرنا سکھایا گیا تھا جو ہماری سرگرمیوں کے منتظم اور رہنما سمجھے جاتے تھے۔ جب یہ مبلغین ہمارے بزرگوں کے پاس آ کر نوجوان نسل سے بات کرتے تو ہم ان کی ہر بات کو حق سمجھ کر تسلیم کر لیتے کیونکہ ہمیں ان پر مکمل اعتماد کرنا سکھایا گیا تھا۔ اُن کی تبلیغ ہمارے لیے قابل قبول تھی اور ہم نیک نیتی سے ان کے دلائل قبول کر لیتے تھے۔ وہ اپنے دعووں کے ثبوت میں اسلامی کتابوں کے حوالے پیش کرتے تھے اور مزید تحقیق کے بغیر ہم ان حوالوں کو من وعن قبول کر لیتے کیونکہ ہمیں ان مبلغین پر بھروسا تھا۔

اُن کا طریق کار ہمیں راسخ العقیدہ مسلمانوں سے بیزار کرنا تھا۔ ان مبلغین کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ احمدیت کے نام سے ہمیں اصل اسلام سے آگاہ کر رہے ہیں۔ وہ اکثر ہم پر یہ واضح کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ تقسیم ہند سے پہلے پورے ہندوستان میں اور بعد ازاں پاکستان میں اُن کی جو بھرپور مخالفت کی جا رہی ہے یہی ان کے سچا ہونے کا قطعی ثبوت ہے کیونکہ بہر صورت کسی

بھی نبی کو اپنے شہر یا ملک میں فوری طور پر سچا نہیں سمجھا جاتا۔ ہمیں یہ دلیل بھی قابلِ قبول لگتی، لہٰذا ہم مکمل اعتماد کے ساتھ اُن مبلغین کی پیروی کیا کرتے تھے۔ اسی اعتماد کے ساتھ میں نے اکتوبر 1972ء میں احمدیہ یوتھ کانفرنس سے خطاب کیا تھا۔ بعد میں کچھ واقعات نے مجھے احمدیت کے مسلمہ دعاوی پر نظر ثانی اور اُن کے حوالہ جات کی تحقیق پر مجبور کر دیا۔

میرا مقصد دراصل یہ تھا کہ احمدیت کی روز افزوں مخالفت کے پیش نظر میں خود کو مضبوط دلائل سے آراستہ کرلوں۔ ایک یونیورسٹی سکالر کی حیثیت سے میں جانتا تھا کہ احمدیت کی حمایت میں میرا اعلان اسلامی مصادر کے مصدّقہ حوالوں سے مزین ہونا چاہیے۔

تاہم احمدی مبلغین کے کتابی حوالوں کی حد تک میری تحقیق کے نتائج مایوس کن نکلے اور مکمل غور و خوض اور تحقیق کے بعد میں اللہ تعالیٰ اور تمام انسانوں کو گواہ بنا کر یہ اعلان کرتا ہوں کہ احمدیت کے مبلغین اپنے اکثر پیروکاروں کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر دنیا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ کئی صورتوں میں وہ ایسے مصنفین کے حوالے پیش کرتے ہیں جو احمدیت کے سخت مخالف ہیں مگر وہ یہ حوالے اس چالاکی سے پیش کرتے ہیں کہ ایسے لگتا ہے جیسے وہ مصنفین احمدیت کے حامی ہیں۔

حوالہ جات کی اصل کتب کے مطالعے ہی سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس تناظر میں احمدی مبلغین نے یہ حوالے پیش کیے ہیں، ان کتب کے مصنفین کا نظریہ تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس تحقیق ہی سے حق کے متلاشی کو یہ پتہ چل سکتا ہے کہ پاکستانی احمدی دنیا کو کس طرح دھوکا دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت کے حق میں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث اکثر دلیل کے طور پر استعمال کرتے ہیں:

”کہہ دیجیے کہ آپ خاتم النبیین ہیں مگر یہ نہ کہیے کہ آپ کے بعد کوئی اور نبی نہیں۔“

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زوجہ مطہرہ سے منسوب یہ حدیث بخاری، مسلم، ابوداود، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی میں سے کسی بھی کتاب میں موجود نہیں اور نہ مؤطا امام مالک اور مسند احمد میں کہیں اس کا ذکر ہے۔ مشکوٰۃ المصابیح بھی اس حدیث سے

خالی ہے جو کہ مندرجہ بالا کتب احادیث میں سے منتخب احادیث کا مستند مجموعہ ہے۔

بہرصورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منسوب یہ حدیث من گھڑت اور بے بنیاد ہے' مگر چونکہ احمدی اسے بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں' لہٰذا آیئے اس کے مقابلے میں مستند احادیث کو دیکھیں۔ یاد رہے کہ احمدی اس حدیث کا حوالہ یہ ثابت کرنے کے لیے دیتے ہیں کہ ''خاتم النبیین'' کے معنی وقت کے لحاظ سے آخری نبی نہیں (بلکہ ان کے نزدیک خاتم النبیین کا مطلب ''نبیوں کی مہر'' ہے جس کی تصدیق کے ساتھ اور نبی آتے رہیں گے۔)

خاتم النبیین کے صحیح مفہوم کی وضاحت فرماتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے یہ مثال بیان فرمائی:

«مَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ ابْتَنَىٰ بُيُوتًا فَأَحْسَنَهَا وَأَجْمَلَهَا وَأَكْمَلَهَا، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ مِّنْ زَوَايَاهَا، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيُعْجِبُهُمُ الْبُنْيَانُ فَيَقُولُونَ: أَلاَّ وَضَعْتَ هٰهُنَا لَبِنَةً فَيَتِمَّ بُنْيَانُكَ» فَقَالَ مُحَمَّدٌ ﷺ: «فَكُنْتُ أَنَا اللَّبِنَةَ»

''میری اور مجھ سے پہلے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی نے بہت حسین وجمیل محل بنایا مگر کسی کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ وہاں کا چکر لگاتے تو یہ عمارت انہیں حیرت زدہ کر دیتی اور وہ کہتے: اگر تو یہاں ایک اینٹ لگا دیتا تو تیری عمارت مکمل ہو جاتی۔'' پھر حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ''میں ہی وہ اینٹ ہوں کہ سلسلۂ نبوت میرے آنے سے مکمل اور ختم ہو گیا۔''①

مذکورہ بالا حدیثِ رسول ﷺ سے' جسے تمام محدثین نے صحیح شمار کیا ہے' یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کو یہ یقین تھا کہ خاتم النبیین کا مفہوم آپ کو سب سے افضل اور سب سے آخری نبی ہی ثابت کرتا ہے اور اس کے مطابق آپ کے بعد کوئی اور نبی (بحیثیت نبی) دنیا میں نہیں آ سکتا۔ قرآن حکیم نے اسی لیے آپ کا کوئی بیٹا نہ ہونے کا خاص طور پر ذکر کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

① صحیح مسلم' الفضائل' باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین' حدیث: 2286

﴿ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ ٱللَّهِ وَخَاتَمَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٤٠﴾ ﴾ (الأحزاب: ٣٣/ ٤٠)

''محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے والد نہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں اور اللہ ہر بات سے باخبر ہے۔''

غلام احمد کو نبی ثابت کرنے کے جنون میں احمدیہ مشن کے لوگ حیرت انگیز اور شرمناک انداز میں قرآن حکیم کی بعض آیات کے مفہوم کو بھی توڑ مروڑ کر اپنے مطلب کے مطابق پیش کرتے ہیں۔ اس قسم کی توڑ پھوڑ کی ایک مثال اُن کا قرآن حکیم کی اس آیت کا ترجمہ ہے' وہ کہتے ہیں:

﴿ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ ﴾ (النساء: ٤/ ٦٩)

''اور جو کوئی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم مانے۔''

وہ قرآن کے الفاظ (وَالرَّسُولَ) کا ترجمہ ''اور اُس کے اِس رسول'' کا کرتے ہیں' حالانکہ اس کا اصل مفہوم ہر لحاظ سے ''اور اُس کے رسول'' بنتا ہے' اس کا مفہوم کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ احمدیوں کا ترجمہ قرآنِ حکیم کے متن سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ وہ یہاں لفظِ (هٰذا) ''اس'' کا اضافہ کرتے ہیں' حالانکہ متن میں لفظ (هٰذا) موجود نہیں۔ احمدی مشن کی اس معنوی تحریف پر عقلی اعتبار سے غور کیا جائے تو یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کے متن میں لفظ (هٰذا) کا اضافہ کر کے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں جو کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ایک سنگین جرم ہے۔ اگر احمدیہ مشن کا قرآن مجید کا ترجمہ صرف انگریزی ہی میں شائع ہو تو اس میں بہت سی باتیں قرآن کریم کے اصل عربی متن سے مختلف ہوں گی۔ کیا اب وقت نہیں آ گیا کہ نائیجیریا اور افریقہ کے مسلمان جو احمدیہ مشن کا ساتھ دے رہے ہیں اگر وہ اسلام سے (واقعی) مخلص ہیں تو اپنی اس رفاقت پر غور کریں کیونکہ احمدیوں کا اسلام وہ اسلام نہیں جو نبیٔ اکرم ﷺ دنیا میں لے کر آئے۔ احمدیہ مشن نے اس آیت کے پہلے حصہ میں تحریف کر کے اسے اپنے مقصد کے مطابق بنالیا۔ پوری آیت کا ترجمہ یوں ہے:

﴿ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُو۟لَٰٓئِكَ رَفِيقًا ﴿٦٩﴾ ﴾

(النساء: ٤/ ٦٩)

''جولوگ اللہ اور (اُس کے) رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے' یعنی انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین۔ یہ بلحاظ رفاقت بہترین لوگ ہیں۔''

اس آیت کے مفہوم میں غلط بیانی کر کے قادیانی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی اطاعت کر کے کوئی انسان درجۂ نبوت تک پہنچ سکتا ہے' وہ کہتے ہیں:

''رسول کریم ﷺ کے بعد جو انبیاء علیہم السلام آئیں گے ان کے لیے رسول کریم ﷺ کی شریعت یعنی احکامِ قرآن و حدیث کی اطاعت لازم ہے کیونکہ انہیں روحانیت کا یہ مقام آپ کی اطاعت ہی کے سبب ملے گا' اس کے بغیر نہیں۔ اس کا مطلب بالآخر یہی بنتا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ ہی ضابطۂ حیات یعنی قرآن لے کر آنے والے آخری نبی ہیں۔ آپ کے قوانین کوئی منسوخ کر سکے گا نہ اس کی جگہ کوئی اور قانون نافذ کر سکے گا۔''

اس غلط بیانی کا مقصد صرف یہ ہے کہ غلام احمد کو تمام امتِ مسلمہ بلکہ خود نبیٔ اکرم ﷺ کے عقیدے کے برعکس نبی ثابت کر کے دکھا دیا جائے۔ کتنی تعجب والی بات ہے کہ علامہ راغب کی کتاب ''مفردات القرآن'' جیسی مستند لغت قرآن اور معروف و مقبول تفاسیر اور کتب حدیث کو نظر انداز کر کے اس آیت کا ایک خود ساختہ مفہوم نکال لیا گیا۔ قادیانی ان مستند کتب میں معتبر علماء کے قلم سے کی گئی اس آیت کی تشریح سے لاعلمی کا بہانہ ہرگز نہیں کر سکتے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اوامر پر عمل کرے اور نواہی سے گریز کرے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اسے اپنی عظیم الشان جنت میں داخل فرمائے گا اور اسے

انبیاء(علیہم السلام) کا ساتھ نصیب فرمائے گا' اور پھر اس آیت میں مذکور دیگر نیک بخت لوگوں یعنی صدیقین پھر شہداء اور اس کے بعد عام نیکوکار مومنین کی صحبت عطا کرے گا جن کا ظاہر و باطن ایک ہے' اور پھر اللہ تعالیٰ فرماں بردار لوگوں کی یوں تعریف فرماتا ہے کہ وہ رفاقت کے اعتبار سے بہترین لوگ ہیں۔" ①

صحیح مسلم' مسند احمد اور کئی دوسری کتب حدیث میں اس آیت کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے (اور امام طبری نے بایں طور ذکر کیا ہے:)

"ایک دن انصارِ مدینہ میں سے ایک شخص حزن و ملال کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس کی اداسی کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! مجھے ایک خیال ستا رہا ہے۔" آپ نے پوچھا: "وہ خیال کیا ہے؟" اس نے کہا: "ہم دن رات آپ کی زیارت اور صحبت سے مستفید ہوتے ہیں مگر کل (بہ روز قیامت) آپ انبیاء (علیہم السلام) کے ساتھ ہوں گے۔ پھر تو ہماری آپ تک رسائی ناممکن ہو جائے گی۔" آپ نے اس شخص کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام یہ آیت ﴿ومن یطع اللہ...... الآیۃ﴾ (النساء:69/4) لے کر آئے۔ تب آپ نے اس کی طرف پیغام بھیجا اور خوشخبری سنائی۔" ②

اور اس سے ملتی جلتی روایت مجمع الزوائد میں بھی ہے جس میں یہ یقین دہانی کرائی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے آخرت میں وہ انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ ③

یہ صاف اور واضح تشریحات اور پس منظر پڑھ کر اس آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے اور کسی وضاحت کی مزید ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ احمدی قرآن کے مفہوم و مطالب کو صحیح طور پر سمجھ کر اپنے مبلغین کے ایجاد کیے ہوئے دینی فلسفے کو رد کر دیں جس

---

① تفسیر ابن کثیر: 694/1 ② تفسیر لطبری: 225/4' 8/ 534

③ مجمع الزوائد: 63/7

کے ذریعے سے انہیں بڑی مہارت سے گمراہی کے راستے پر ڈال دیا گیا ہے۔ بے شک کوئی آدمی یا گروہ سب لوگوں کو ہر وقت بے وقوف نہیں بنا سکتا' ایک نہ ایک دن یہ سلسلہ ختم کرنا ہی پڑتا ہے۔ نائیجیریا کے احمدیوں سے گزارش ہے کہ وہ مہربانی فرما کر ان باتوں پر غور کریں اور اپنے دینی عقائد پر نظر ثانی کریں۔

جہاں تک احمدی مشن کے قرآنِ حکیم کی سورۃ الاعراف کی آیت 35 کے حوالے کا تعلق ہے تو اس کی تشریح بھی احمدی علماء سیاق وسباق سے ہٹ کر اپنی مرضی سے کرتے ہیں تا کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا تسلسل جاری رہنے کا گمراہ کن نظریہ ثابت کر سکیں۔

دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت میں شرکت نہ کرنا بھی قرآنِ کریم کے حکم اور نبی اکرم ﷺ کی اس حدیث کی خلاف ورزی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أُمَّتِي لاَ تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلاَلَةٍ فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلاَفًا، فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ»

''میری امت کسی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی (اے مومنین!) اگر تم میں باہمی اختلاف رونما ہو تو تم پر اکثریت (کے فیصلے) کی پابندی کرنا لازم ہے۔'' [1]

مرزائیوں کا عام مسلمانوں سے اپنی بیٹیوں کا رشتہ کرنے سے انکار بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ اس نظریے کے حق میں احمدیوں کی دلیل یہ ہے کہ اسلام غیر مسلموں کے ساتھ بیٹیوں کے نکاح کی اجازت نہیں دیتا۔ احمدیوں کے اس نظریے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر احمدی مسلمانوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ ان کا یہ نظریہ صرف اس صورت میں جائز ٹھہرتا ہے جب احمدیت کو غیر احمدی اسلام سے ایک الگ دین تسلیم کیا جائے' ورنہ یہ موقف نہ تو جائز ہے اور نہ اس کا دفاع ممکن ہے' لہٰذا اگر سعودی حکومت یا کوئی بھی حکومت احمدیت کو غیر اسلام (کفر) قرار دے اور احمدیوں کو کافر' تو حقیقت سے آشنا کوئی بھی شخص اس حکومت کے اِس اقدام کو غلط قرار نہیں دے سکتا۔

---

① اس حدیث میں سواد اعظم کے الفاظ سخت ضعیف ہیں دیکھیے۔ ضعیف ابن ماجه' ص: 318 و الضعيفة: 435/6' حدیث: 2896 و سنن ابن ماجه تحقيق ڈاکٹر بشّار عواد: 441-440 (عبدالرحمٰن)

احمدیوں کی ایک اور خصوصیت جو انہیں مسلمانوں سے الگ کرتی ہے' یہ ہے کہ وہ بڑی مکاری سے مسلمانوں کو پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُنہیں یہ بخوبی معلوم ہے کہ مسلمان انہیں قبول نہیں کرتے' لہٰذا وہ اپنے پڑھے لکھے لوگوں کو اہم سرکاری عہدوں پر متعین کروانے کی کوشش کرتے ہیں اور اُن کے ذریعے سے اسلام کے نام پر احمدیت کو فروغ دیتے ہیں۔

میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ احمدی اپنا موقف دنیا پر واضح کر دیں اور یہ صاف صاف بتا دیں کہ وہ مسلمان ہیں یا مسلمانوں سے علیحدہ ایک نیا گروپ۔ اگر وہ مسلمان ہیں تو اجماعِ اُمتِ مسلمہ کی پیروی کرتے ہوئے خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی ''امتی نبی'' کا تصور ترک کر دیں اور مسلمانوں کے ساتھ تعاون کر کے اسلام کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں۔ اس کام کے لیے ان کے تعاون کی بہت ضرورت ہے اور یہ کام وہ مسلمانوں کو اپنے کافرانہ عقائد اور اعمال کی بنا پر متنفر کر کے نہیں بلکہ اُن کے عقائد و اعمال اختیار کر کے ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ اگر احمدی ایک الگ جماعت اور نئی تنظیم ہیں تو اُنہیں عام مسلمانوں سے الگ ہو کر اپنی شناخت کروانی چاہیے تا کہ جو لوگ احمدیت قبول کریں اُنہیں شروع ہی سے یہ علم ہو کہ وہ ایک نئے مذہب میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ خود کو مسلمان سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں۔

غلام احمد کو صرف مجدّد سمجھ کر جماعت کا نام احمد یہ رکھنا بھی قابل قبول نہیں کیونکہ غلام احمد اسلام کا مجدّد نہیں تھا۔ اس سے پہلے اسلام میں کئی مصلح مختلف اوقات میں آئے اور اُن میں سے ہر ایک نے اسلام کی مجموعی ترقی کی خاطر کچھ مخصوص فرائض سرانجام دیے لیکن کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسلام میں یہ شرط نہیں ہے کہ مصلح کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی مخصوص نام سے ایک الگ جماعت بنائے اور غلام احمد سے پہلے کسی مجددِ اسلام نے ایسا نہیں کیا۔ اب تک اسلام میں قابلِ قدر مصلحین میں سے ایک مصلح امام غزالی رحمہ اللہ ہیں' مگر انہوں نے کوئی ایسی جماعت نہیں بنائی۔

مجھے علم ہے کہ نائیجیریا کے احمدی اور کچھ دوسرے احمدی' مثلاً لاہوری احمدی غلام احمد کو امتی

نبی (نبیٔ اکرم ﷺ کی امت میں سے نبی) نہیں مانتے بلکہ اسے صرف مجدد مانتے ہیں۔ تاہم یہ وضاحت ضروری ہے کہ مسلمان احمدیوں کے ان دونوں فرقوں کو خلافِ اسلام سمجھتے ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب کی حکومت دونوں سے یکساں سلوک کرتی ہے۔

حکومت سعودی عرب کی اِس سلوک کے بارے میں دلیل یہ ہے کہ اگر ان کے درمیان کوئی بنیادی فرق ہوتا تو دونوں فرقے احمدی ہی کیوں کہلاتے؟ تمام غیر احمدی یہ سمجھتے ہیں کہ لفظ ''احمدیت'' غلام احمد قادیانی کے نام سے لیا گیا ہے جو احمدی گروپ کا بانی تھا۔ ان کے مخالف انہیں قادیانی کہتے ہیں جو مرزا غلام احمد کی جائے پیدائش یعنی بھارتی پنجاب کے شہر قادیان کی مناسبت سے ہے۔

کسی کو بھلا لگے یا برا' احمدیت یا تو معتزلہ کی طرح تاریخ کے صفحات میں دفن ہو جائے گی یا اسلام سے الگ ایک مذہب کی شکل میں باقی رہے گی۔ لاہوری فرقے جیسے لوگ جو نبیٔ اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے منکر (غلام احمد) کو مجدد سمجھتے ہیں' وہ خود کو مسلمان کہلوا کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں۔ (دنیا بھر کے احمدی میرے مخاطب ہیں)

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ احمدیت اسلام ہے تو احمدی لوگ مسلمانوں کو احمدی بنانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟ اس تبدیلیٔ مذہب کا مطلب کیا یہی نہیں ہے کہ احمدیت بذاتِ خود ایک مذہب ہے۔ اگر احمدیت ایک نیا مذہب نہیں ہے تو احمدیوں کو اُن کے پاکستانی پیشوا یہ نصیحت کیوں کرتے ہیں کہ اگر کوئی احمدی ایسی جگہ ہو جہاں کوئی اور احمدی نہ ہو تو اسے نماز باجماعت کی بجائے الگ نماز ادا کرنی چاہیے تاوقتیکہ وہ کچھ اور لوگوں کو احمدیت کا پیروکار بنا کر اُن کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر سکے۔ احمدیت کے حوالے سے یہ سوالات و اعتراضات ضروری ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ نائیجیریا اور افریقہ کے احمدی لوگ غور وفکر اور اپنی احمدیت سے وابستگی پر نظر ثانی کریں۔ اگر اُنہیں اسلام سے دلچسپی ہے تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ احمدیت

---

[1] اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پارلیمنٹ 1974ء میں قانون سازی کر کے قادیانی احمدیوں اور لاہوری احمدیوں دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دے چکی ہے۔ (م ف)

اسلام نہیں ہے۔ اگر میری بات غلط ثابت ہو تو بے شک میرے والد مجھے اپنا بیٹا تسلیم کرنے سے انکار کر دیں اور احمدی مل جل کر مجھ پر لعنت بھیجیں اور مجھے مصلوب کر دیں۔ لیکن اگر میری بات درست ثابت ہو تو میرے رشتہ داروں سمیت نائیجیریا کے تمام احمدیوں پر یہ لازم ہو گا کہ احمدیت سے اپنے تعلق پر نظر ثانی کریں اور خلوصِ دل سے اللہ سے دعا کریں جیسا کہ میں کرتا رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اسلام کا راستہ دکھا کر اس پر چلنے کی توفیق عطا کر دے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَٱلسَّلَٰمُ عَلَىٰ مَنِ ٱتَّبَعَ ٱلْهُدَىٰٓ ﴿٤٧﴾ ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/ ۴۷)

''اور جو ہدایت کی پیروی کرے گا اُسے سلامتی نصیب ہوگی۔''

میں آخر میں پوری سنجیدگی اور خلوص سے اُن تمام لوگوں سے اپیل کرتا ہوں جو اسلام سے سچی محبت رکھتے ہیں اور حق کی تلاش کی خاطر ابھی تک احمدیت سے منسلک ہیں' کہ انہیں اب یہ احساس ہو جانا چاہیے کہ احمدیت اپنے بنیادی عزائم اور مقاصد کے مطابق کسی بھی لحاظ سے اسلام نہیں ہے۔ اس کے بانی کا اس کو احمدیت کا نام دینا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک الگ مذہب ہے۔ علاوہ ازیں اپنے کچھ عقائد و اعمال کے سبب بھی احمدیت اسلام سے بالکل الگ مذہب ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر آدمی کو اپنی پسند کا مذہب اختیار کرنے کا حق حاصل ہے (مگر اس مذہب کو کسی اور دین کے لبادے میں نہیں ہونا چاہیے۔) بے شک یہ قانون کی حاکمیت کا تقاضا اور بنیادی انسانی حق ہے۔

بہر صورت یہ بھی ضروری ہے کہ انسان کو اپنے عمل کی اصابت سے آگاہ ہونا چاہیے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ احمدیت اسلام سے الگ ایک مذہب ہے۔ اس کے محکم پیروکاروں کو قرآن حکیم کے اس بیان پر غور کرنا چاہیے:

﴿ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ ٱلْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى ٱلْءَاخِرَةِ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران: ۳/ ۸۵)

''اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا متلاشی ہو تو اس کا دین ہرگز قابلِ قبول نہ

ہوگا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔‘‘

مزید ارشاد ہے:

﴿ وَقُلْ جَآءَ ٱلْحَقُّ وَزَهَقَ ٱلْبَٰطِلُ ۚ إِنَّ ٱلْبَٰطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾ ﴾ (بني إسراءيل: ۱۷/ ۸۱)

’’کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہوگیا' یقیناً باطل نابود ہونے والا ہی ہے۔‘‘

سلامتی ہو ان پر جو راہِ ہدایت پر چلتے ہیں!

درج ذیل کتب احمدیت کے مطالعہ اور موقف کی حقیقت سمجھنے اور اشاعت کے لیے تجویز کی جاتی ہیں کیونکہ ان میں مرزا غلام احمد کے دعوائے نبوت کو جرأت اور واضح الفاظ کے ساتھ بے نقاب کیا گیا ہے۔ ان میں حسب ذیل موضوعات کا احاطہ کیا گیا ہے:

- احمدیت کا عروج تاریخی تناظر میں
- قادیانیت کے فلسفے کا ارتقا
- غلام احمد کی زندگی اور کردار کے نمایاں پہلو
- تحریک احمدیت اور اس کے بانی مرزا غلام احمد کا تنقیدی مطالعہ
- قادیانیت کی سرگرمیوں' دعووں' اغراض و مقاصد اور احمدیت کے ’’الہامات‘‘ کا جائزہ
- اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مرزائیوں کی سازشیں اور ریشہ دوانیاں

1. Save Muslim Africa from the Clutches of the Qadianis (Ahmadis) apostasy – a revealing booklet by Adam Muhammad Traore of Ghana.
2. Islam versus Ahmadiyyah in Nigeria by Dr. Ismail a Balogun.
3. Islam and Ahmedism by Dr. Muhammad Iqbal.
4. His Holiness by Phoenix.
5. Qadianism: A Critical Study by Maulana Abul Hasan Ali Nadvi.
6. Qadyaniat: An analytical study by Ehsan Elahi Zaheer.
7. Qadianism on Trial (The case of Muslim Ummah against

Qadianis presented before the National Assembly of Pakistan).

8. The Qadiani Problem by Syed Abul-Ala Maududi.

یہ کتابیں درج ذیل مقامات سے مل سکتی ہیں:

① مکتبہ دار التصنیف' دار التصنیف لمیٹڈ' شاہراہِ لیاقت صدر' کراچی 3۔
فون نمبر: 524325

② ملک سراج الدین اینڈ سنز' پبلشرز اینڈ بک سیلرز' کشمیری بازار' لاہور' پاکستان۔

بشکریہ (The Universal Message, Karachi) [1]

(پروفیسر ڈاکٹر اسمٰعیل اے بی بیلوگن۔ شعبہ عربی و اسلامیات'
اِبادان یونیورسٹی' اِبادان۔ نائیجیریا)

(Prof. Dr. Ismail A.B.Balogun- University of Ibadan-Ibadan, Nigeria)

اسلام مجھے کیوں پسند ہے؟

[مسٹر جان فشر (Mr.John Fisher) کے بیان ''اسلام مجھے کیوں پسند ہے؟'' کی تفصیلات دینے سے پہلے اُن کے قبولِ اسلام کا اقرار نامہ ذیل میں شائع کیا جاتا ہے:]

اقرار نامہ

میں جان فشر ولد چارلس فشر (John Fisher son of Charles Fisher) ساکن' 3 کیمبرج سٹریٹ' نیو کاسل (Cambridge St. Newcastle) بذریعہ تحریر ہذا خلوصِ قلب سے حلفاً یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اپنی مرضی سے اسلام کو بطور دین قبول کرتا ہوں۔ میں اللہ واحد کی عبادت کرتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو برابر احترام کا مستحق سمجھتا ہوں اور میں اللہ کی توفیق سے ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کروں گا۔

① یقین انٹرنیشنل' 7 اگست: 1992ء' ج: 3' ش: 7

[لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ]

دستخط (جان فشر)

(John Fisher)

مغربی شعور کے لیے اسلام کی سب سے دلکش خوبی اس کی سادگی ہے۔ اگرچہ ایک دو اور مذاہب میں بھی بہت آسانی ہے مگر وہ نبیٔ اکرم ﷺ کے دین جیسی قوّتِ حیات اور روحانی و اخلاقی رفعت سے خالی ہیں۔ اسلام کی معقول سادگی میں جذباتی لوگوں اور نمائشی مذہبی سرگرمیوں کے گرویدہ لوگوں کے لیے کوئی کشش نہیں پائی جاتی۔ ایسے لوگوں کو اپنی پسند کا میدانِ عمل بعض فرقوں میں دستیاب ہے جہاں آنکھوں کو بھڑکیلے رنگوں کی چکا چوند' کانوں کو سریلی کلاسیکی موسیقی اور دلوں کو پھولوں سے لدی قربان گاہیں اور جذباتی ڈرامے کیف وسُرور سے مسحور کرتے ہیں۔ (یہ سب کچھ عیسائیت کے کیتھولک فرقے میں اور کسی حد تک ہندومت میں ہوتا ہے۔) ایسی نمائشی سرگرمیاں عقلِ سلیم کو کبھی بھی متاثر نہیں کر سکتیں۔ علاوہ ازیں بعض مذہبی فرقوں میں تو عام آدمی کو مذہبی معاملات میں عقل کے استعمال کی اجازت ہی نہیں ہوتی بلکہ ذہن کو ایک ایسی زمین سمجھا جاتا ہے جس میں پادری یا پیشوا جو چاہے کاشت کر دے۔

کتنا تضاد ہے ان مذاہب کی تنگ نظری اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے اِس فرمان میں کہ ''علم حاصل کرو خواہ تمہیں چین جانا پڑے''① رسولِ کریم ﷺ یقیناً جانتے تھے کہ انسان کے ذہن پر پابندیاں عائد کرنا کس حد تک ناروا ہے۔

اسلام کی رواداری بھی انسان کو لازماً متاثر کرتی ہے۔ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام اور رُوئے زمین پر آنے والے دوسرے تمام انبیاء علیہم السلام کا احترام کرنا سکھایا جاتا ہے۔ یہ طرزِ عمل عیسائیوں کے لیے ایک مثال ہے جو آپس میں دُشنام طرازی کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی ہمیں (مسلمانوں کو) بھی نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ عیسائیت کی تنگ نظری اور عدم رواداری ہی نے مجھے اسلام کی طرف متوجہ کیا۔ بچپن میں' میں نے عیسائیوں کے ایک مذہبی اجتماع میں جب اُن مقررین کی

① یہ حدیث نہیں بلکہ مقولہ ہے۔

باتیں سنیں جو کچھ عرصہ ان کے بقول ''خون کے پیاسے'' مسلمانوں کے ساتھ رہ کر آئے تھے تو میں ان کی باتوں سے بہت متاثر ہوا۔ چند سال بعد جب خوش قسمتی سے مجھے ایک مسلمان مبلغ کا خطاب سننے کا اتفاق ہوا تو اسے عیسائیوں کے ایک ایسے مجمع کے سامنے تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتے دیکھا جس میں بیشتر افراد اپنا مسیحی اجتماع چھوڑ کر اور اپنے عقیدہ کے مطابق' اسے کافر سمجھ کر اس کا مذاق اڑانے آئے تھے۔ اُس کی باتوں اور اُس کے طرزِ عمل نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ عیسائیت پر میرا پختہ یقین چکنا چور ہو گیا۔

کئی دفعہ میں نے کسی عیسائی مبلغ سے کوئی سوال پوچھا تو یہ جواب ملا: ''میں تمہارے سوال کا جواب نہیں دے سکتا مگر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم کسی دلیل کے بغیر میری بات مان لو۔'' اسلام عیسائیت سے کتنا مختلف ہے جس میں کوئی سوال جواب سے ماورا ہے نہ بالاتر۔

نامور جرمن شاعر گوئٹے (Goethe) نے قرآن کریم کا مطالعہ کرنے کے بعد بے اختیار کہا: ''اگر یہی اسلام ہے تو ہم میں سے ہر صاحبِ فکر انسان درحقیقت مسلمان ہے۔'' عیسائیت کے مختلف چرچ (فرقے) آج کے دور کے مسائل سے قطعاً نہیں نمٹ سکتے۔ ان مسائل کا حل صرف اسلام ہی پیش کرتا ہے مگر مغربی دنیا کے دل و دماغ میں اسلام سے بغض اب بہت گہرا ہو چکا ہے۔ کبھی کبھی غیر متوقع ذرائع سے کوئی حوصلہ افزا خبر سُورج کی کرن بن کر آ جاتی ہے' جیسے چند سال قبل جنرل سمٹس (General Smuts) کا یہ بیان کہ افریقہ میں جہاں عیسائیت کے تمام چرچ مل کر ایک آدمی کو دائرۂ عیسائیت میں داخل کرتے ہیں وہاں دس لوگ داخل اسلام ہوتے ہیں۔[1] عیسائیت کی ایک ضرب المثل ''سچائی بالآخر غالب آ کر رہے گی'' اس حوالے سے سچی ثابت ہو رہی ہے۔[2]

[جان فشر] (John Fisher)

---

① جان کرسچن سمٹس (1870ء تا 1950ء) جنوبی افریقہ کا ایک جرنیل اور سیاستدان تھا جو دو بار وزیر اعظم (24-1919 اور پھر 48-1939ء میں) رہا۔ اس نے 1945ء میں اقوام متحدہ کے منشور کا ابتدائیہ لکھا۔ (م ف)

② اسلامک ریویو' مارچ 1934ء ج:22' ش:3' ص:181' اور جون 1934ء ج:22' ش:6' ص:61-63

میں نے نفسیاتی نقطۂ نظر سے اسلام قبول کیا

نفسیات ہمیں بتاتی ہے کہ جو کچھ بھی ہم کرتے' کہتے یا سوچتے ہیں اُس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے خواہ شروع میں وہ سمجھنے میں کتنی ہی مشکل کیوں نہ محسوس ہو۔ یہ دیکھ کر کہ نفسیات ہماری زندگی میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے' یہ دلیل بجا ہوگی کہ جب کوئی شخص ایک انقلابی قدم اُٹھاتا ہے جس سے اس کا طرزِ حیات اور زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر بدل جاتا ہے' تو اُس کی کوئی معقول اور واضح وجہ ہوتی ہے اور یہ وجہ شناخت کرنا اس کے لیے مناسب ہوتا ہے' لہٰذا میں نے اپنے اس خطاب کا عنوان یہی سوچ کر رکھا ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں محسوس کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ایک انقلاب برپا ہوا ہے اور اس کی وجہ بیان کرنے اور آپ کو بتانے کے لیے کہ میں کیوں مسلمان ہوا ہوں' میں نے اپنا نفسیاتی تجزیہ کیا ہے۔ کئی سال سے میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ میری زندگی میں کوئی کمی ہے جس کی ماہیت شروع میں تو واضح نہ تھی' بس یوں سمجھ لیجیے ایک خواہش تشنۂ تکمیل تھی۔ اس کی وجہ سے ایک طرح کی بے چینی سی لاحق تھی اور ایک احساس سا تھا کہ مجھے کوئی چیز چاہیے مگر وہ میری رسائی سے باہر تھی۔ میری زندگی اس شدید احساس کی گرفت میں تھی۔ میں بے چینی کا شکار تھا اور میرا مذہب مجھے کوئی تسکین فراہم نہ کر سکا۔ میں کبھی ایک اور کبھی دوسری چیز کی تلاش میں مارا مارا پھرتا۔ گویا اندھیرے میں راستہ تلاش کر رہا تھا مگر مجھے راستے کا سراغ مل سکا نہ ذہنی سکون۔ صاف ظاہر تھا کہ میں غیر معینہ مدت تک اس اضطراری اور ناآسودہ ذہنی کیفیت میں نہیں رہ سکتا تھا اس لیے میں نے صورت حال کا جائزہ لینا شروع کیا۔

کچھ ایسے لمحات ہوتے ہیں جن میں ہم اپنی ذات سے نکل کر ایک مختلف زاویے سے اپنے آپ کا جائزہ لیتے ہیں' یہ زاویۂ نظر روحانی ہے، جب یہ روحانی جسم جو اصل انسان نہیں بلکہ ارتقا کی منازل طے کر کے اپنے داخلی روحانی عمل سے حسین اور مہذب بن گیا ہے' یہی اصل انسان ہے' اسے ایک طرف رکھ کر ایک خارجی وجود کی طرح دیکھا جا سکتا ہے' جس کے اجزا کو موضوعی

ذہن الگ الگ کر کے دیکھ سکتا ہے۔ اس طرح لمحہ بھر کی قوتِ ارادی کی اچانک بالا دستی ہی سے ہم اللہ عزوجل کو اور جو کچھ وہ ہم سے چاہتا ہے اُسے اعلیٰ ترین مذہبی اور روحانی ماہرین کے تمام تر دلائل کی نسبت بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

ایک ایسے ہی مرحلے میں مجھے اپنی زندگی میں کمی کا ادراک ہوا' اور یہ روحانی غذا کی کمی تھی۔ میری روح روحانی غذا کے لیے بے تاب تھی۔ میرے خیال کے مطابق روح ہمیشہ اپنی طبعی حدود کو توڑ کر منتہائے کمال تک پہنچنے کی جدوجہد کرتی رہتی ہے۔ زندگی بھر جسم اور روح کے درمیان جنگ جاری رہتی ہے تاوقتیکہ روح کو برتری حاصل ہو جائے اور پھر درجۂ کمال کو پہنچ کر' اندرونی خرابی کے امکانات سے آزاد ہو کر' مادی آلائشوں سے پاک ہو کر اور زمین پر اپنا قرض بے باق کر کے فنا کی حدود عبور کرتے ہوئے یہ اپنے اللہ تعالیٰ کے پاس واپس چلی جاتی ہے۔ پس میں رفتہ رفتہ یہ حقیقت سمجھ گیا کہ میرے روحانی وجود کو ایک نئی تشکیل و ترتیب کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنے آپ سے پوچھا ''یہ تشکیل و ترتیبِ نو کیوں ضروری ہے؟ اس کا آغاز کیسے ہو گا؟ میرے مذہب (عیسائیت) نے میری روح کو مطلوبہ تشکیل و ترتیب کیوں نہیں دی؟'' مجھے محسوس ہوا کہ شک کے عنصر نے میرے ایمان کو دبا رکھا ہے۔ اس مذہب کے کچھ سخت نظریات اور رسوم میری عقل کے لیے قابلِ قبول نہ تھے۔ میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ کیا ایمان داری سے میں ان عقائد اور رسوم کو قبول کر سکتا ہوں؟ کیا میں عیسائیت کے ان عقائد کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر) نازل کردہ سمجھوں؟ بعض عقائد تو میری فطری عقلِ سلیم کے لیے کسی بھی صورت میں قابلِ قبول نہ تھے۔ میں اس حقیقت کو بدلنے کے لیے انہیں کوئی اور معنی نہ پہنا سکا کہ جب تک میں کسی شرط یا اعتراض کے بغیر اُن عقائد کو قبول نہیں کرتا (عیسائیت کے رائج الوقت نظریہ کی رُو سے) اس وقت تک میں کافر اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مردود و معتوب رہوں گا۔

یہاں میں یہ ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ قبول اسلام سے قبل میں عیسائیت کے کیتھولک چرچ (فرقے) سے وابستہ تھا اور اس کی تعلیم یہ تھی کہ اس چرچ کے اصول اور فیصلے ہر خطا سے

مبرّا ہیں، لہٰذا انہیں کسی تنقید واعتراض کے بغیر آنکھیں بند کر کے ہی قبول کرنا لازم ہے۔ اس میں ''ہاں'' یا ''نہیں'' کہنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھیے کہ مذہب پر پادریوں کی مکمل اجارہ داری تھی جس پر کسی کو اعتراض کرنے کی قطعاً اجازت نہ تھی۔

چونکہ میری عقلِ سلیم اور میرے ضمیر کو پادریوں کے مسلط کردہ عقائد وتعلیمات پر دیانت داری سے عمل کرنا گوارا نہ تھا، اس لیے بظاہر اس مذہب سے وابستہ رہنا منافقت ہوتا جس کی اجازت میری روح نہیں دے سکتی تھی، لہٰذا میرے لیے اب واحد متبادل راستہ یہ تھا کہ اس مذہب سے روگردانی کر کے اپنے پسندیدہ عقائد اور نظریات کے مطابق زندگی بسر کروں۔

یہ تو ٹھیک تھا مگر جلد ہی مجھے احساس ہوا کہ مجھے اپنے ایمان کے لیے کوئی بنیاد درکار ہے، تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا: ''میرے اصل عقائد اور نظریات کیا ہیں اور میں صدق دل سے کن پر ایمان رکھتا ہوں؟''

۞ **توحید پر ایمان:** میں ایک ایسے اللہ واحد کے وجود پر یقین رکھتا تھا جو تمام کائنات کا مالک ہے اور اس کی محبت اور طاقت کا اظہار دیدہ اور نادیدہ مخلوقات کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک سے زائد معبودوں کا تصور کبھی میری سمجھ میں نہ آ سکا کیونکہ میرے خیال میں اس سے اللہ واحد کی عظمت اور قوت ناقص ہو جاتی ہے۔

۞ **براہِ راست دُعا پر ایمان:** میں اللہ تعالیٰ سے رابطے اور اُس سے کچھ مانگنے کے لیے کسی سفارش اور ثالثی کو غیر ضروری سمجھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے اور وہ جانتا ہے کہ یہ التجا (دعا) کسی توبہ کرنے والے دل سے آ رہی ہے یا نہیں۔ وہ حاجت کے مطابق کسی درمیانی وسیلے کے بغیر براہِ راست جواب دیتا ہے۔ اپنی نجات کے لیے کوشش مجھے خود ہی کرنی ہے۔ یوم حساب کو اپنی اچھی یا بُری زندگی کے لیے جواب دہ میں خود ہی ہوں گا۔

۞ **اخروی زندگی پر ایمان:** میں اکثر اپنے آپ سے یہ سوال کرتا کہ اگر ہمیں مرنے کے بعد پھر زندہ نہیں ہونا تو ہم آج کیوں اور کس مقصد کے لیے زندہ ہیں؟ میں اس سوال کے جواب میں اس نتیجے پر پہنچا کہ موت جسمانی زندگی کا تسلسل ٹوٹنے اور روحانی زندگی کے آغاز کا نام

ہے۔ اس کے بعد وہ دور شروع ہوتا ہے جس میں ہمیں اس وقت نظر نہ آنے والی چیزیں نظر آنے لگیں گی اور روح پاک صاف شکل اختیار کرنے کے آخری مرحلے سے گزرے گی۔

❁ **اخوتِ انسانی پر میرا یقین:** میں یقین رکھتا تھا کہ ہم سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی نظر میں ہم سب برابر ہیں۔ رنگ، نسل، عقیدے یا مرتبے کے اعتبار سے اللہ نے ہمارے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا۔ زمین پر اللہ کی تدبیر کے مطابق ہم نے ایک مقررہ عرصے تک رہنا ہے اور اگر ہمیں یقین ہو کہ ہمارا خالق ہم سب سے محبت کرتا ہے تو ہمیں بھی ایک دوسرے سے محبت کرنی چاہیے، یعنی اگر ہم یہ سمجھ لیں کہ اُس نے ہمیں اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔

❁ **انبیاء علیہم السلام پر ایمان:** میرا یہ ایمان تھا کہ مختلف ادوار میں اللہ نے اپنے منشا کے مطابق بعض بندوں پر اپنی وحی نازل کی ہے اور اسے لوگوں تک پہنچانے کے لیے انہیں منتخب اور مامور کیا ہے۔

یہ محض ایک اجمالی خاکہ ہے مگر یہ میرے عقائد کے بنیادی خدوخال ضرور واضح کرتا ہے۔ آپ پر یہ بات یقیناً واضح ہوگئی ہوگی کہ مجھے ایک ایسا دین درکار تھا جو معقول، قابل عمل اور ہر قسم کے شخصی تسلط سے آزاد ہو۔ محض رسمی اور بلا دلیل دعووں یا پیشوائی قانون پر مبنی نہ ہو کہ اُسے اپنانے میں اپنے ضمیر سے ناانصافی کرنی پڑے۔ یہ دین مجھے اسلام کی صورت میں مل گیا۔

دیارِ مشرق کی سیاحت کے دوران میں اسلام کی سادگی اور اس کے پیروکاروں کے خلوص سے متاثر ہوا۔ میری پرورش عیسائیت کے مذہبی ماحول میں ہوئی تھی۔ میرے والد نظم وضبط کی سخت پابندی کرواتے تھے۔ بعض اوقات تو مذہبی معاملات میں اُن کی سخت گیری کٹر عیسائی فرقے کے جبر کی صورت اختیار کر لیتی تھی۔ مجھے عیسائیت کے سوا تمام دوسرے مذاہب کو کفر اور اُن کے پیروکاروں کو کافر سمجھنا سکھایا گیا تھا۔ پھر ذرا غور کیجیے کہ جب میں بڑا ہو کر اپنی نظر سے دیکھنے کے قابل ہوا اور اُنہی لوگوں سے واسطہ پڑا جن کا کافر اور بت پرست ہونا مجھے سکھایا گیا تھا،[1] تو میں نے کیا محسوس کیا ہوگا؟ اِن تمام دوسرے مذاہب کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد میں

---

[1] مغرب کے مسیحی پیشواؤں اور پادریوں کا تعصب دیکھیے کہ انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہ (نعوذ باللہ) حضرت محمد ﷺ کے بت کو پوجتے ہیں۔ (م ف)

اس نتیجے پر پہنچا کہ نبیٔ اکرم ﷺ کا دین سرفہرست ہے جسے اس کے پیروکار عیسائیوں کی طرح صرف اتوار کی صبح کو الماری سے نکالنے کے بعد شام کو بڑے احترام سے واپس الماری میں رکھ نہیں دیتے بلکہ یہ ایک ایسا دین ہے جو اپنے پیروکاروں کی زندگی کا ایک لازمی جز ہے اور اس پر ہر روز عقیدت واخلاص کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ اس بات نے میرے ذہن پر ایک ان مٹ نقش ثبت کیا جس نے میری زندگی کی ساخت ہی تبدیل کر دی۔ اسلام میں مجھے وہ سب کچھ ملتا ہے جو مجھے اپنی سماجی، اخلاقی اور روحانی رہنمائی کے لیے درکار ہوتا ہے۔ اس دین نے مجھے ایک نئے زاویے سے دیکھنا اور ضبط وتحمل سکھایا ہے۔ اس نے میرے دل میں تمام انسانوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ بہت فعال بنا دیا ہے۔ اس نے مجھے اللہ تعالیٰ کے قریب تر کر دیا ہے اور مجھے اپنی روح کو ترقی دینے اور اپنی انا کے انکار کی مؤثر ترغیب دی ہے۔ اپنے عقل وشعور کے مطابق میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر کوئی مذہب مجھے ذہنی سکون، اعلیٰ مقصدِ حیات، اچھا نصب العین اور احکام الٰہی کی پیروی کا جذبہ دوسرے مذاہب کی نسبت زیادہ پروقار انداز میں، زیادہ براہ راست اور بہتر صورت میں عطا کرتا ہے، تو پھر میرے لیے بہترین ضابطۂ حیات وہی ہے، اور وہ صرف اسلام ہے۔

میرے خیال میں اس دور میں ہمیں مادیت اور عقل پرستی نے جکڑ رکھا ہے اور یہ رویہ ہماری زندگی اور ہماری فکر میں پوری طرح رَچ بس گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ہم صرف حال ہی میں قید ہیں اور اسی کے لیے سب کچھ کر رہے ہیں۔ لیکن اگر ہمارا کوئی نصب العین ہے تو وہ ہمیں ہمیشہ مستعدی سے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ فکر وعمل کی پاکیزگی حاصل کر سکیں۔

اسلام نے مجھے اپنے پانچ ستونوں میں سے نماز کے ذریعے سے مادیت کے سب بندھنوں کو توڑنے کا آسان اور قابل عمل طریقہ سکھا دیا ہے۔ نماز ہمیشہ مجھے اللہ عزّ وجل، اپنی روح اور بنی نوعِ انسان کی طرف سے مجھ پر عائد فرائض یاد دلاتی رہتی ہے۔ مسلمان ہونے کے بعد سے میں نے نماز کی پوری پابندی کی ہے، حتیٰ کہ جب دنیوی معاملات میں مشغول ہوتا ہوں تو بھی نماز وقت پر ادا کر لیتا ہوں اور مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ میں پہلے کی نسبت اپنے اللہ کے کتنا

زیادہ قریب ہوں۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ یہ میرے عقائد کا محض ایک اجمالی خاکہ ہے اور میرے عقائد کی نفسیاتی اہمیت یہ ہے کہ جن اصولوں پر میرا ایمان ہے میں انہی کے مطابق سوچتا اور عمل کرتا ہوں۔ میرا عقیدہ اپنے دین کے بارے میں میرا ذہنی رویّہ ہے جو اسے میری روحانی اور عمومی رہنمائی کا اہل قرار دیتا ہے۔ پس میرے ایمان کی بنیاد اس بات پر ہے: [لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ وَلَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ] ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ کے سوا کوئی کائنات میں ہر جگہ موجود نہیں۔''

ممکن ہے میں اپنے ایمان پر مبنی نظریات اور اصولوں کا جامع خاکہ پیش نہ کر سکا ہوں کیونکہ میرے لیے اپنے افکار کی تلخیص کرنا آسان کام نہیں اور مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میں کن کن امورِ دینیہ کی صحیح تفہیم و توضیح سے معذور رہوں۔ اپنے دلائل کی بنا پر مجھے یہ احساس ہے کہ اسلام کو بطور دین اپنا کر میں اپنے آپ کو دھوکا نہیں دے رہا بلکہ یہ دین اپنا کر میں ابدی صداقت اور حکمت الٰہیہ کے زیادہ قریب ہو گیا ہوں۔

اللہ ہمارے اندر ایک نامعلوم طریقے سے اپنا اثر جاری وساری فرماتا ہے' لہٰذا مجھے یقین ہے کہ اس نے کوئی بات بھی مجھ سے اوجھل نہیں رہنے دی جو میری روحانی ضرورت تھی۔ ①

[خالد ڈی لارنجر ریمراف]

(Khalid D'Larnger Remraf)

اسلام تک میرا سفر

میرے لیے اسلام کی اہمیت کی وجوہ اتنی زیادہ ہیں کہ اس محدود تحریر کے اندر نہیں سما سکتیں۔ بہر صورت میں چند وجوہات بیان کروں گا جن کی بنا پر مجھے یہ احساس ہوا کہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو میرے لیے اور آج کی تمام دنیا' بالخصوص میری نسل کے لوگوں کے لیے قابل قبول ہو سکتا ہے۔

① اسلامک ریویو' مارچ' اپریل 1930ء' ج:18' ش:3,4' ص:120-134 یہ لیکچر برٹش مسلم سوسائٹی لندن کے اجلاس (12 اگست 1929ء) میں دیا گیا۔

میری پرورش اور تربیت پروٹسٹنٹ عقائد کے مطابق ہوئی اور کم سنی ہی میں مجھے عیسائیت کی تعلیمات ناقص نظر آنے لگیں۔ میں نے بچپن میں بائبل کے حوالے سے کئی مقابلوں میں انعامات حاصل کیے لیکن اپنے مذہب کے بارے میں میرا علم جتنا بڑھتا گیا میں اتنا ہی اس کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہوتا گیا۔ چودہ برس کی عمر میں مجھے اپنے مذہب کی مستقل رکنیت کی رسوم سے واسطہ پڑا۔ مجھے توقع تھی کہ یہ مذہبی تقریب میرے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ کر دے گی اور روح اللہ کی مدد سے میں ہر مشکل کا سامنا کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ (مجھے بتایا گیا تھا کہ جب بشپ میرے سر پر ہاتھ رکھے گا تو خدا کی روح اُس کی انگلیوں کے ذریعے سے میرے وجود میں داخل ہو جائے گی۔) تاہم اس تقریب سے اپنے مذہب پر میرے ایمان میں اضافہ ہونے کی بجائے میرے ہر آن بڑھتے ہوئے اس یقین کو تقویت ملی کہ میرا مذہب تو محض حماقت آمیز توہمات اور مضحکہ خیز رسوم کا مجموعہ ہے۔

جب میں سکول کی تعلیم سے فارغ ہو کر یونیورسٹی پہنچا تو میرا یہ شک یقین میں تبدیل ہو چکا تھا کہ جو مذہبِ عیسائیت میں نے اپنا رکھا ہے وہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میں ایک برگزیدہ انسان اور شہید تو مانتا تھا مگر انہیں الٰہ کا مرتبہ دینا مجھے سراسر نامعقول اور اُن کی اپنی تعلیمات کے برعکس لگا۔ جس مذہب کو میں رد کر چکا تھا اُس کی خامیاں تلاش کرنے میں تو مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئی مگر اس کی جگہ کوئی اور معقول مذہب تلاش کرنے میں خاصی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ عیسائیت تو محض تضادات اور توہمات کا مجموعہ تھی۔ عقل پرستی بھی بطورِ عقیدہ ناکافی تھی اور یوں لگا کہ کوئی ایسا معقول دین ہے ہی نہیں جو ان تمام مذاہب کی خوبیوں کا مجموعہ ہو جن کے بارے میں میں نے پڑھا یا سنا تھا۔

میں اپنے تمام طے شدہ نظریات پر مشتمل کسی مسلّمہ دین کی تلاش سے تقریباً مایوس ہو گیا اور خاصے عرصہ تک اپنے مبہم سے عقائد ہی پر قناعت کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ ایک دن اتفاقاً مجھے خواجہ کمال الدین کی کتاب ''Islam and Civilisation'' مل گئی۔

عیسائیت کے متعصّبانہ رویے کی بجائے اسلام کی فراخدلی' قرونِ وسطیٰ میں دوسرے ممالک میں رائج جہالت اور توہم پرستی کے مقابلے میں مسلمانوں کا علم اور تمدن اور آخرت کے حوالے سے مسیحی کفارے کی بجائے جزا وسزا کا منطقی نظریہ' یہ چند نکات تھے جنھوں نے پہلے پہل مجھے متاثر کیا۔ بعد میں مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ ایک ایسا دین ہے جو پوری انسانیت کا احاطہ کرتا ہے۔ غریبوں اور امیروں کو یکساں رہنمائی فراہم کرتا ہے اور رنگ ونسل اور عقیدے پر مبنی تعصّبات سے پاک ہے۔ مسلم مشن (Muslim Mission) سے میں نے نبیٔ اکرم ﷺ کی تعلیمات کے بارے میں کچھ اور معلومات حاصل کیں۔ ووکنگ (Woking) کی مسجد کے امام صاحب میرے تمام اعتراضات اور تنقیدی سوالات کے بہ خوشی جوابات دیتے رہے۔ ان کے دوستانہ اور دلچسپ خطوط نے اس مذہب کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے میں میری حوصلہ افزائی کی۔ اسلام کی حقانیت اور تمام روحانی ضروریات کی تکمیل کرسکنے کی اہلیت دیکھ کر تقریباً ایک دو ماہ بعد ہی میں خود کو مسلمان سمجھنے لگا۔ تاہم میں نے جلد بازی کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ اپنے اس نئے مذہب کے ہر پہلو پر غور وخوض کرنے کے بعد بالآخر اسے اپنا ضابطۂ حیات بنایا۔

میرا نظریہ یہ ہے کہ آسانی سے ہاتھ آنے والی چیزیں آسانی سے کھو بھی جاتی ہیں۔ اسی طرح کسی غور وخوض کے بغیر اختیار کیے ہوئے عقائد آسانی سے رَد بھی کردیے جاتے ہیں۔ اس لیے میں نے اسلام پر ہر تنقیدی کتاب کا مطالعہ کیا۔ خاص طور پر نبیٔ اکرم ﷺ اور آپ کی تعلیمات کے بارے میں مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھیں۔ جو کچھ میں نے پڑھا اس میں کئی باتیں اسلام کے خلاف تھیں۔ مگر بہتر اور غیر جانبدار مصنفین نے بالعموم اسلام کی قدر و قیمت' اس کے نظریۂ تہذیب اور بعض نے تو اس کے پیغام کی صداقت کا بھی اعتراف کیا۔ میں نے ایک پڑھے لکھے صائب الرائے دوست سے اپنے اسلامی عقائد پر بحث کر کے بھی ان عقائد کی مزید جانچ پرکھ کی۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ میرا دوست بہت سی باتوں میں میرا ہم خیال نکلا۔

دراصل غیر شعوری طور پر وہ بھی مسلمان ہی تھا۔ اُس جیسے ہزاروں لوگ ہوں گے جنہوں نے غیر ارادی طور پر اسلامی نظریات تک رسائی حاصل کی ہوگی۔ انہیں پتہ بھی نہیں ہوگا کہ یہ تو اسلامی نظریات ہیں جن کی تعلیم حضرت محمد ﷺ نے صدیوں پہلے دی تھی۔

پچھلے چند ماہ میں اسلام پر میرے ایمان میں اضافہ ہوا ہے اور اب مجھے پورا یقین ہے کہ مجھے آخرکار سچائی مل گئی ہے۔ اب جبکہ میرا ایک ایسا دین ہے جسے میں پوری طرح سمجھ سکتا ہوں اور اس پر عمل بھی کر سکتا ہوں تو مجھے مکمل ذہنی اطمینان ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں نئے ولولے کے ساتھ اسلام کی روشنی میں زندگی کے مسائل کا سامنا کر سکتا ہوں۔ ایک حسنِ اتفاق یہ بھی ہے کہ جب سے مجھے اپنا اصلی دین نصیب ہوا ہے' میری روزمرّہ زندگی میں زیادہ خوشی اور خوش نصیبی آ گئی ہے۔ میرا یہ ارادہ ہے کہ اسلام کی روشنی اُن لوگوں تک بھی پہنچاؤں جو میری طرح اپنے آبائی عقائد سے بیزار ہیں اور اس طرح اُنہیں وہ ذہنی سکون فراہم کروں جو ہمارے عظیم الشان دین کا ثمر ہے۔ ①

[ٹی ایچ میک بارکلے]
(T.H.McC.Barklie)

میری نظر میں اسلام کا حسن کیا ہے؟

میں نے لائیڈن یونیورسٹی (University of Leiden) (ہالینڈ) سے 1919ء میں مشرقی زبانوں کی تعلیم حاصل کی اور ماہر عربیات پروفیسر سناؤک ہر گرونجی ②

---

① اسلامک ریویو۔ اگست 1933ء ج: 21' ش: 8' ص: 245-248

② سناؤک ہر گرونجی ایک ڈچ مستشرق تھے۔ انہوں نے ہالینڈ کے زیرِ حکومت ڈچ ایسٹ انڈیز (انڈونیشیا) میں ایسی "تعلیمی اصلاحات" نافذ کروائیں جن سے وہاں مسیحیت کو زیادہ سے زیادہ فروغ مل سکے۔ یہی وجہ ہے کہ انڈونیشیا کی مسیحی اقلیت بہت مضبوط ہے' خصوصاً جزائر ملوکو اور سلاویسی میں، جہاں تین چار سال پہلے خونریز مسیحی مسلم فسادات ہوئے۔ (م ف)

(Prof.C.Snouck Hurgronje) کے لیکچر سننے کا موقع ملا۔ پھر میں نے عربی زبان سیکھی اور امام بیضاوی رحمہ اللہ کی ''تفسیر القرآن'' اور امام غزالی رحمہ اللہ کی فقہ کے بارے میں کتب پڑھیں اور ان کا ترجمہ کیا۔ اسلام کی تاریخ اور اسلامی اداروں کے بارے میں معلومات میں نے یورپ میں رائج الوقت معلومات ناموں (Hand books) سے حاصل کیں۔ 1921ء میں' میں ایک ماہ قاہرہ میں رہا اور جامعۃ الازہر کا معلوماتی دورہ کیا۔ عربی کے علاوہ میں نے سنسکرت' ملائی اور جاپانی زبانیں بھی سیکھیں۔ 1927ء میں' میں اُس دور کے نیدر لینڈ کے جزائر (جزائر شرق الہند یعنی موجودہ انڈونیشیا) کے اعلیٰ تعلیم کے ایک خصوصی سکول میں جاپانی زبان اور ہندوستان کی ثقافتی تاریخ پڑھانے پر مامور ہوا۔ یہ سکول جوگ جکارتہ (Jog Jakarta) میں واقع تھا۔ پندرہ سال تک میں قدیم و جدید جاپانی زبانوں اور جاپانی ثقافت کے خصوصی مطالعے میں مصروف رہا اور اس عرصے میں اسلام سے کم ہی رابطہ رہا اور عربی سے میرا تعلق بالکل منقطع رہا۔ جاپان میں جنگی قیدی کی حیثیت سے ایک مشکل وقت گزارنے کے بعد میں 1946ء میں دوبارہ نیدر لینڈ (ہالینڈ) گیا اور ایمسٹرڈم (Amsterdam) کے رائل ٹراپیکل انسٹی ٹیوٹ (Royal Tropical Institute) میں مجھے نئی ملازمت مل گئی۔ یہاں جب مجھے ''جاوا میں اسلام'' کے بارے میں ایک مختصر معلومات نامہ مرتب کرنے پر مامور کیا گیا تو مجھے اسلام کا مطالعہ کرنے کا موقع ملا۔

اس دوران میں مجھے نئی اسلامی ریاست پاکستان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا شوق لاحق ہوا تو میں 55-1954ء کے موسم سرما میں پاکستان پہنچا۔ اب تک میں نے اسلام کے بارے میں معلومات یورپ کے لوگوں سے حاصل کی تھیں' مگر لاہور پہنچ کر مجھے اسلام کا ایک بالکل نیا پہلو نظر آیا۔ میں نے اپنے مسلمان دوستوں سے کہا کہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجدوں میں مجھے بھی ساتھ لے جایا کریں۔ اس کے بعد میں نے مساجد میں جانا شروع کر دیا تو مجھے اسلام کی عظیم روایات کا علم حاصل ہوا۔ جب لاہور کی ایک مسجد میں مجھے لوگوں سے خطاب کی دعوت دی گئی اور پھر وہاں مجھے ان گنت نئے دوستوں اور بھائیوں سے مصافحہ کرنے

کا موقع ملا تو میں نے اُسی لمحے اپنے آپ کو مسلمان سمجھنا شروع کر دیا۔

پاکستانی جریدے ''پاکستان کوارٹرلی'' ,("Pakistan Quarterly", Vol. v, No: 4, 1955) میں، میں نے اپنے ایک مضمون میں اس واقعہ کے حوالے سے لکھا:

''ہم اب نسبتاً ایک بہت چھوٹی مسجد میں گئے جہاں خطبہ ایک ایسے عالمِ دین کو دینا تھا جو روانی سے انگریزی بول سکتے تھے۔ ① وہ پنجاب یونیورسٹی میں ایک اہم منصب پر فائز تھے۔ اُنھوں نے اجتماع سے کہا: ''میں نے جان بوجھ کر خلاف معمول اپنے خطاب میں جا بجا انگریزی کے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں تاکہ دور دراز ملک نیدر لینڈ سے آئے ہوئے بھائی میرا خطاب آسانی سے سمجھ سکیں۔'' خطبہ کے بعد حسبِ معمول دو رکعت نمازِ جمعہ امام صاحب کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ اس کے بعد بقیہ نماز خاموشی سے فرداً فرداً ادا کی گئی۔ میں جانے لگا تو علامہ صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا: ''لوگوں کی خواہش ہے کہ آپ اُن سے خطاب کریں۔ میں آپ کی گفتگو کا اردو میں ترجمہ کر دوں گا۔'' میں مائیک کے سامنے کھڑا ہو گیا اور آہستہ لہجے میں اپنی بات شروع کی۔ میں نے کہا کہ میں ایک دور دراز ملک سے آیا ہوں جہاں مسلمان بہت کم ہیں۔ میں اُن سب کی طرف سے آپ سب حاضرین کو السلام علیکم کہتا ہوں۔ آپ لوگ خوش قسمت ہیں کہ سات سال قبل آپ نے اپنی اسلامی ریاست قائم کر لی ہے اور چند ہی برسوں میں اس ریاست کو مستحکم بنا لیا ہے۔ ایک مشکل آغاز کے بعد آپ یقیناً ایک خوشحال مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں۔ میں نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ اپنے وطن واپس جا کر پاکستانی مسلمانوں کی مہمان نوازی اور مہربانیوں سے اپنے اہلِ وطن کو آگاہ کروں گا۔ ان الفاظ کا اُردو میں ترجمہ سن کر حیرت انگیز طور پر سیکڑوں لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ بوڑھے، جوان' ہر ایک نے بہت پیار سے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے اسلام قبول کرنے پر مبارک باد دی۔ میں اُن کا یہ بے ساختہ اظہارِ محبت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خصوصاً اُن کی آنکھوں میں پیار کی وہ چمک تو مجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔ اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ اسلام کے عظیم رشتۂ اخوت سے میں بھی جڑ گیا

① یہ علامہ علاء الدین صدیقی تھے جو بعد میں جامعہ پنجاب کے وائس چانسلر بنے۔ (م ف)

ہوں جو عالمگیر حیثیت رکھتا ہے اور اس پر میں ناقابل بیان حد تک خوش ہوا۔‘‘

پاکستان کے لوگوں نے مجھے اسلام کے سمجھنے میں مدد دی اور میں جان گیا کہ دین اسلام قانونِ شریعت کی تفصیلات و جزئیات سے کہیں بڑھ کر ہے اور یہ کہ اخلاقی اقدار پر ایمان اوّلیت رکھتا ہے اور اس دین کو سمجھنے کے لیے ان اقدار کا پہلے سے علم ہونا ضروری ہے۔

اسلام میں مجھے کیا خوبی نظر آئی اور خصوصاً کس چیز نے مجھے یہ عقیدہ اپنانے پر مائل کیا' میں مختصر طور پر صرف چھ نکات میں ذکر کیے دیتا ہوں:

- ایک عظیم و برتر اور بے مثال ذات کا اعتقاد جس پر ہر ذی شعور مخلوق کے لیے ایمان رکھنا آسان ہے اور وہ اللہ عزوجل ہی کی ذات ہے جس کے سب محتاج ہیں' اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا ہمسر کوئی نہیں ہے۔ وہ تمام حکمتوں کا منبع' تمام قوتوں کا مالک اور تمام اعلیٰ صفات سے متصف ہے اور اس کے رحم وکرم کی کوئی انتہا نہیں۔
- اس وسیع کائنات کی مخلوقات جن میں سے انسان کو برتری حاصل ہے' ان کا اپنے خالق کے ساتھ براہ راست تعلق ہے۔ ایک مومن کو کسی واسطے یا وسیلے کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ اسلام پاپائیت کی تعلیم دیتا ہے۔ دین اسلام میں انسان کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کی نوعیت کا انحصار خود انسان پر ہے۔ اس زندگی میں انسان کو عاقبت کی جزا و سزا کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے۔ انسان اپنے اعمال کے لیے جواب دہ ہے جن کا کسی معصوم انسان کی قربانی سے مداوا نہیں ہوسکتا۔ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔
- اسلام کی رواداری کا اصول بڑے واضح انداز سے ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ ’’دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں‘‘ (البقرة:2/256)

ہر مسلمان سے اسلام کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ حق وصداقت کی تلاش میں جدوجہد کرتا رہے اور جہاں بھی حق بات ملے اسے قبول کرلے۔ یہ حق وصداقت دوسرے مذاہب میں ہو تو بھی قبول کرے۔

- اسلام کا نظریۂ اخوت رنگ ونسل اور عقیدے کے امتیاز کے بغیر پوری انسانیت کو محیط ہے۔ صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جو عملی طور پر یہ اصول تسلیم کرانے میں کامیاب رہا ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلمان آباد ہیں وہ سب اسلام کے اصول اخوت کی رو سے بھائی بھائی ہیں۔ اللہ عزّ وجل کے حضور تمام مسلمانوں میں عملی مساوات کا اظہار حج کے موقع پر احرام کی حالت میں ہوتا ہے جب گورے کالے سب ایک میدان میں ایک ہی لباس میں جمع نظر آتے ہیں۔
- اسلام مادے اور عقل دونوں کو مستقل قدریں گردانتا ہے۔ انسانی عقل وشعور کی افزائش لابدی طور پر جسمانی ضروریات سے منسلک ہے اور انسان کا طرز عمل ایسا ہو کہ عقل مادی معاملات کو کنٹرول کرے اور اُن پر عقل کو فوقیت اور برتری حاصل ہے۔
- اسلام نے بہت پہلے شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کو ممنوع قرار دے دیا۔ صرف اس اصول کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اپنے وقت سے کہیں آگے ہے۔ [1]

[آر ایل میلما [2]، ماہر بشریات، مصنف ومحقق - ہالینڈ]

(R.L.Mellema, Anthropologist, writer and scholar- Holland)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اسلامک ریویو کے قارئین کے لیے اپنے قبول اسلام کے اسباب لکھتے ہوئے مجھے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ یہ اسباب بہت زیادہ اور متنوع ہیں۔ بہر حال میں اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کروں گا اس توقع کے ساتھ کہ میری تحریر کی فنی خامیوں کو آپ نظر انداز فرما دیں گے۔

---

[1] اسلام دی فرسٹ اینڈ فائنل ریلیجن، ص: 129-132

[2] ڈاکٹر آر ایل میلما اسلامک سیکشن آف دی ٹراپیکل میوزم (Islamic section of the Tropical Museum) (ایمسٹرڈم) کے سربراہ رہے۔ وہ "Wayang Puppets Grondwet van Pakistan" اور "Ein Interpretatie van de Islam" وغیرہ کتب کے مصنف ہیں۔

میں جوانی کے ابتدائی دور میں قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ کے عیسائیوں کے ہاتھوں ان کے اپنے ہم مذہب ''بھائیوں'' پر ڈھائے گئے خوفناک مظالم کی تاریخ پڑھ کر بہت رنجیدہ ہوا۔ خاص طور پر دفتر مقدس (Holy office) اور اس کی تفتیش (Inquisition) کی تفصیلات بہت المناک تھیں۔ اس کی ہدایات کے تحت اللہ تعالیٰ کے زمینی خلیفہ (انسان) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا' زندہ جلا دیا جاتا یا کوڑے مار مار کر اس کی شکل وصورت مسخ کر دی جاتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر عیسائیوں کے ان سنگین جرائم کی داستان کا ہولناک تاثر کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات اور ان کے پیروکاروں کے عمل میں خوفناک تضاد کا ایک زندہ جاوید ثبوت ہے جو دنیا کو ہمیشہ یہ یاد دلاتا رہے گا کہ جس رحم دل نبی علیہ السلام نے یہ کہا تھا: ''رحم دل لوگوں پر اللہ کی رحمت'' اس کے پیروکار اگر ایک بار پھر برسر اقتدار آ گئے تو وہ انسانیت کے ساتھ دوبارہ وہی سفاکانہ سلوک کریں گے۔

وقت گزرتا گیا اور میں عیسائیوں کی سرگرمیوں کو مختلف مواقع پر بہت قریب سے دیکھتا رہا۔ بے شک میں عیسائی کلیسا کے اہم نظریات کو قبول نہ کر سکا کیونکہ یہ واضح طور پر بت پرست کفار کے باقی ماندہ نظریات کے مانند تھے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت اور نظریۂ کفارہ پر میرا ایمان برقرار رہا کیونکہ مجھ جیسے بے عمل انسان کے لیے نظریۂ کفارہ بہت حوصلہ افزا تھا۔ میں رائج نظریے کی پیروی میں زمانۂ وسطیٰ کے عیسائیوں کے ظلم وستم کو بھی محض ماحول کی خرابی اور ناسمجھی کا نتیجہ سمجھ کر زیادہ پریشان نہ ہوا' حتی کہ مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ ماضی قریب تک عیسائی کلیسا ایک طرف تو اپنے ذرائع سے غلامی کے خاتمے کے خلاف پورا زور لگا رہا تھا اور دوسری طرف بچوں سے جبری مشقت لینے کا حامی تھا۔

عیسائیت کے 1900 سال مکمل ہونے پر انگلینڈ کی عظیم الشان ریاست کا تاریخ کے آئینے میں کیسا عبرت ناک منظر دکھائی دیتا ہے کہ محض کم سن بچوں کو صبح سویرے جبراً کارخانوں میں بھیجا جاتا تھا۔ ان کے کمزور چہروں پر خوفزدہ آنکھیں ابھی تک پوری کھلی بھی نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے جسم کے نازک حصوں پر گزشتہ روز کی مار پیٹ کے نشانات ابھی موجود ہوتے تھے۔ پھٹے

ہوئے لباس میں سے جسم کے مختلف حصوں پر نیل کے نشانات' خراشیں اور زخم صاف نظر آتے تھے اور اپنے مسیحی آقاؤں کی صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خوف ان کی نیم مردہ روحوں میں کسی گھناؤنے درندے کی طرح چھپا ہوتا تھا۔

گزشتہ زمانے پر نظر ڈال کر ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ عیسائیت نے انسان کی ذہنی ترقی کی طرف پیش رفت پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ پہلے عیسائی رومن بادشاہ[1] نے دستور غلامی کے بارے میں ان تمام اصلاحات کو ختم کر دیا جو سلطنت روم میں عظیم مفکر سینیکا (Seneca) کی تعلیمات کے باعث رائج ہوئی تھیں۔ پھر چوتھی صدی عیسوی سے 1860ء تک عیسائی سلطنتوں کے اندر جو ظالمانہ دستور غلامی رائج رہا' اس کی داستان لرزہ خیز ہے۔

جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اُن کی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں اسے دیکھ کر تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ عزّ وجل کے (نعوذ باللہ) سب سے بڑے دشمن ہونے کا تصوّر اُبھرتا ہے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ سراسر خیر اور انسانوں کے لیے رحیم وکریم ہے اور عیسائیت کے ہاتھوں انسانیت کو جو نقصان پہنچ چکا ہے وہ بھی ہم بخوبی جانتے ہیں اور آیندہ بھی اس سے کسی نفع کا امکان نظر نہیں آتا۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام عیسائی برے ہیں بلکہ اس کے برعکس میرا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر اچھے ہیں اور ان کے دل میں بنی نوعِ انسان سے بھلائی کا جذبہ موجود ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ عیسائیت کا فلسفہ اور اصول نہایت مبہم اور اتنے لچکدار اور کمزور ہیں کہ یہ کسی دیرپا خیر اور

---

[1] قسطنطین اعظم پہلا رومی حکمران (37-305ء) تھا جس نے عیسائیت کی سرپرستی کی اگرچہ خود اس نے عیسائیت بسترِ مرگ پر قبول کی۔ اس کے بعد یورپ بتدریج عیسائیت کے چنگل میں گرفتار ہوتا چلا گیا' حتی کہ دسویں صدی عیسوی میں عیسائیت انگلستان اور روس کا بھی سرکاری مذہب بن گئی۔ اے کاش! ساتویں آٹھویں اور نویں عیسوی صدیوں میں مسلمانوں نے باہمی خانہ جنگیاں ترک کر کے روس اور انگلستان کو اسلام کی آغوش میں لے لیا ہوتا تو اُمت مسلمہ کو شاید وہ برے دن نہ دیکھنے پڑتے جو قرون وسطیٰ کی اور موجودہ صلیبی جنگوں کے دوران میں دیکھنے پڑے اور دیکھنے پڑ رہے ہیں۔ (م ف)

بھلائی کا باعث نہیں بن سکتے۔ عیسائیت کے درست اور غلط کے تصور میں بھی ابہام موجود ہے اور عیسائی دور میں بار بار غیر محتاط لوگوں نے اس ابہام سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقاصد حاصل کیے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی معاشرے کے غالب طبقہ یعنی پادریوں میں ایسے مشکوک لوگوں کی بھر مار ہے جن کی بدکرداری نے معاشرے کو اخلاقی و روحانی انحطاط سے دوچار کر دیا ہے۔ اس صورت حال کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ دنیائے عیسائیت ان پادریوں کے صدیوں کے غلبے کی وجہ سے ان کی غلامی میں گرفتار ہو چکی ہے جس پر تنقید واجب تعزیر ہے، جبکہ مطلق العنان پاپائیت کو اس سے تقویت ملتی ہے۔

طویل اور محتاط غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عیسائیت کے دن پورے ہو چکے ہیں۔ روز بروز ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو دین عیسائیت کو ایک بے ہودہ مذاق سمجھتے ہیں اور عیسائیوں کے اجتماعات کی حاضری روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ کچھ لوگ اب بھی اپنے اس دین پر قائم ہیں مگر ان کی وفاداری معقولیت کی بجائے تعصّبات اور رواج پر مبنی ہے۔ یہ معقول سائنسی بنیاد سے قطعاً عاری ہے جبکہ جذباتی ایمان عقل سے ماورا ہوتا ہے۔

ہم مخصوص مفادات کے متلاشی پادریوں سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھ سکتے کہ وہ اپنی بھاری بھر کم تنخواہیں کسی مزاحمت کے بغیر چھوڑ دیں گے۔ کئی سالوں سے جاہلانہ جذباتیت (جس کے پادری داعی ہیں) اور عقل وشعور میں ایک جنگ جاری ہے۔ اس میں عقل وشعور اور انسانیت کی فتح نوشتۂ دیوار ہے۔ اب تو عیسائی فرقوں کے سربراہ بھی عیسائیت کی جھوٹی بنیادوں کو تسلیم کر رہے ہیں۔ روم کے گرجا سینٹ پال (St.Paul) کے ڈین (سربراہ) نے حال ہی میں کہا ہے:

> ''یہ بات روز بروز واضح ہوتی جا رہی ہے کہ عیسائی چرچ اپنی موجودہ حالت میں اپنا مقصد پورا نہیں کر سکتا۔''

اور ''ماڈرن چرچ مین'' (Modern Churchman) نامی جریدے کے مدیر ڈاکٹر میجر (Dr.Major) کہتے ہیں:

’’روایتی عیسائیوں کے لیے عقیدے کے مسائل بہت سادہ ہیں جو بائبل یا چرچ یا دونوں کو ہر نقص سے پاک سمجھتے ہیں۔ ان کے لیے صرف یہی جاننا کافی ہے کہ بائبل یا اہل کلیسا کیا کہتے ہیں اور وہ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن روشن خیال اور کشادہ ذہن والے جب بائبل اور کلیسا کی تعلیمات کا مکمل اور ٹھوک بجا کر جائزہ لیتے ہیں تو ان کے عقیدے کی راہ میں ناقابل عبور مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں۔

[ادبی تنقید اور تاریخی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کئی معاملات میں انجیل کے بیانات آپس میں متصادم ہیں اور اسی طرح چرچ کے علماء' پادریوں اور کونسلوں میں بھی اختلافات اور تضادات پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں سائنسی علم میں ترقی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی صورتوں میں جہاں یہ پادری آپس میں اختلاف نہیں رکھتے' وہاں بھی یہ غلطی پر ہیں۔ مختصر یہ کہ آج کے انسان کی نظر میں بائبل یا کلیسا کا خطا سے مبرا ہونا ایک ناممکن امر بن چکا ہے۔‘‘

اسلام میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں کوئی اصول اور ضابطہ غیر یقینی یا مبہم نہیں' کوئی بات سائنسی معیار سے غلط نہیں' اسی طرح حکم شریعت اور عمل میں بھی کوئی خوفناک تضاد نہیں۔ نظریات وعقائد میں کوئی تصادم نہیں اور لوگوں کو ایک اللہ عزوجل کی عبادت کے راستے سے گمراہ کرنے والا کوئی پادری طبقہ نہیں۔ اسلام صدیوں سے مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔ یہ زندگی کے پُرشور طوفانی سمندر میں خالص ایمان کی چٹان بن کر اذیت سے دوچار انسانی روحوں کے لیے ایک خداداد پرامن پناہ گاہ ہے۔ یہ پریشان حال اور بے خانماں لوگوں کا سہارا ہے' ناامیدوں کی امید اور تاریکی میں رہنے والوں کے لیے ایک رہنما روشنی ہے۔ [1]

[محمد عبداللہ وارن]
(Muhammad Abdullah Warren)

---

[1] اسلامک ریویو' جنوری 1939ء ج:27' ش:1' ص:14-18

اہل مغرب اسلام کیوں قبول کرتے ہیں؟

[برادر محمد امان ہوبوہم (Muhammad Aman Hobohum) جرمن قوم کے فرد ہیں۔ کسی زمانے میں انہوں نے سفارت کاری کے شعبے میں کام کیا۔ سماجی مصلح ہونے کی بنا پر انہوں نے مشنری کام میں شمولیت اختیار کر لی۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کا راستہ دکھایا تو ان کے احساسات اور جذبۂ طمانیت عظیم دین اسلام سے ہم آہنگ ہوگئے۔ آپ نے دوسرے مذاہب اور سماجی نظریات اور اسلام کا تقابلی جائزہ لیا۔ ان کے تجربات نے انہیں اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کرنے میں مدد دی اور اس دین نجات کے فوائد سے روشناس کرایا۔ ان کے دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والے خالص ایمان کے جذبات ان کی اس تحریر میں صاف جھلکتے نظر آتے ہیں۔ (مدیر)]

اہلِ مغرب کے قبول اسلام کی کئی وجوہ ہیں جن میں سے چند وجوہ درج ذیل ہیں:

سچ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ اسلام کے اصول حقیقتاً اس قدر انسان دوست' فطری اور پرکشش ہیں کہ وہ سچ کے متلاشی کو بہت متاثر کرتے ہیں' مثلاً اصول توحید کو لیجیے! توحید پر ایمان انسان کو وقار بخش کر اسے توہمات کی قید سے آزاد کراتا ہے۔ یہ بنی نوعِ انسان کو ایک اللہ کی مخلوق کے طور پر برابر قرار دیتا ہے اور ان سب کو ایک ہی اللہ کے بندے شمار کرتا ہے اور اسی اکیلے پر ایمان لانے کا تقاضا کرتا ہے۔ ایمان انسان کو عمل کی تحریک دیتا ہے اور اسے خوف سے ناآشنا جرأت عطا کر کے تحفظ کا احساس دیتا ہے۔ ایسا تحفظ جس کے بعد اسے کسی اور تحفظ کی ضرورت نہیں رہتی۔

زندگی کے نصب العین اور معیار مقرر کرنے میں آخرت پر یقین بہت مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی زندگی بذاتِ خود مقصود نہیں اور انسان کی اُخروی فلاح کا دارومدار اعمال پر ہے۔ علاوہ ازیں یوم حساب پر ایمان انسان کو برائیوں سے دور رکھ کر نیکیوں کی ترغیب دیتا ہے اور روزِ قیامت انسان کے لیے جہنم کی آگ سے حفاظت کا ضامن ہے۔ عادل وقادرِ مطلق اللہ کے حضور پیش ہونے کا یقین انسان کو گناہ سے بار بار روکتا ہے۔ اللہ عزوجل

کا یہ خوف دنیا میں گناہوں سے بچنے کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ اور مؤثر ڈھال ہے۔

اہل مغرب کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے والی ایک اور بات رواداری کا اصول ہے۔ علاوہ ازیں روزانہ نماز انسان کو وقت کا پابند بناتی ہے اور پھر ماہ رمضان انسان کو ضبطِ نفس سکھا کر اسے اپنے جذبات اور حواس کو قابو میں رکھنا سکھاتا ہے۔ ایک عظیم اور صاحب علم انسان وقت کا پابند اور ضبط نفس کا عادی ہوتا ہے۔

اسلام کی سب سے بڑی کامیابی' جبر اور خارجی دباؤ کے بغیر انسان کو با اخلاق اور شائستہ بنا دینا ہے۔ مسلمان خواہ کیسا بھی ہو اسے اس بات کا پورا یقین ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے قول و فعل کا جواب دہ ہوگا۔ اس قسم کا احساس اسے گناہوں سے دور رکھتا ہے۔

ہر انسان فطری طور پر نیکی کا رجحان تو رکھتا ہی ہے' اسلام اس رجحان کو بروئے کار لا کر اسے ذہنی اور قلبی سکون عطا کرتا ہے۔ آج کے دور کا مغربی معاشرہ سب سے زیادہ اسی نعمت سے محروم ہے۔ میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ اور مشاہدہ کر کے مختلف طرز زندگی گہری نظر سے دیکھے ہیں اور جس حتمی نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلام بلاشبہ سب سے مکمل دین ہے۔ کمیونزم میں کچھ فریب کے پہلو پائے جاتے ہیں جن سے سادہ لوح لوگ متاثر ہو جاتے ہیں' جس طرح کہ مغربی جمہوریت کے اپنے پرستار ہیں۔

کوئی اور دین زندگی کو اتنا باوقار اور مکمل قرار نہیں دیتا جتنا کہ اسلام' اس لیے اہل فکر و شعور خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اسلام محض ایک فرضی یا خیالی دین نہیں ہے بلکہ اس کی بنیاد قابل عمل اصولوں اور عقائد پر ہے۔ اسلام میں فرقوں اور گروہ بندی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام تو اللہ کی مرضی کی مکمل اطاعت ہے۔[1]

[محمد امان ہوبوہم' جرمنی]

(Muhammad Aman Hobohum, Germany)

① یقین انٹرنیشنل' 22 اگست 1983ء ج:34' ش:7' ص:87

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

''سچ کی تلاش نے عیسائیت پر نزع کا عالم طاری کر دیا۔''

27 اکتوبر 1993ء کو آکسفورڈ سنٹر برائے اسلامک سٹڈیز میں ایک فکر انگیز خطاب میں پرنس آف ویلز (Prince of Wales) شہزادہ چارلس (Charles) نے 17 ویں صدی کے معروف شاعر اور حمد نگار جارج ہربرٹ (George Herbert) کے یہ اشعار پڑھے:

A man that looks on glass,
On it may stay his eyes;
Or if he pleaseth through it pass,
And Then the Heaven espy.

''جو انسان شیشے کو دیکھتا ہے اس کی نظر اس پر رک جاتی ہے اور اگر وہ چاہے تو اس کی نظر اس سے پار نکل کر آسمان کا بھی سراغ لگا سکتی ہے۔''

شہزادہ چارلس نے یہ اشعار یہ بات واضح کرنے کے لیے پڑھے کہ انسان کو چیزوں کی ظاہری صورت دیکھ کر نتائج اخذ نہیں کرنے چاہییں بلکہ گہرائی میں جا کر ان کی حقیقت تک رسائی حاصل کر لینی چاہیے۔ شہزادہ چارلس کا موضوع سخن یہ تھا کہ مغربی ذرائع ابلاغ میں اسلام کی حقیقت کو سمجھے بغیر اسلام کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔

❁ ابتدائی تربیت: میں زمانۂ طالب علمی سے سچائی کی تلاش میں دلچسپی رکھتا تھا۔ میں نے بہت دکھ اٹھائے مگر صبر و تحمل سے کام لیا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ مشکلات ہمیشہ نہیں رہتیں اور جلد مجھے اپنی منزل مقصود مل جائے گی۔ قبول اسلام سے قبل میں ہر طرح کی برائیوں کا آسانی سے نشانہ بن جاتا تھا لیکن جیسے ہی میں نے اسلام قبول کر لیا مجھے یقین آ گیا کہ مجھے وہ سچائی مل گئی جس کی مجھے تلاش تھی۔ میں نے راہ ہدایت دکھانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے:

﴿ وَمَن يَهْدِ ٱللَّهُ فَهُوَ ٱلْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِهِۦ ۖ ﴾

(بني إسراءيل: ١٧/ ٩٧)

''جسے اللہ نے ہدایت دے دی اسے سیدھا راستہ نصیب ہو گیا اور جسے اس نے گمراہی میں چھوڑ دیا اسے اس کے سوا کوئی محافظ نہیں ملے گا۔''

میں فلپائن کے ایک غریب عیسائی گھرانے میں پیدا ہوا۔ اگرچہ میرے والد پروٹسٹنٹ اور میری والدہ رومن کیتھولک تھیں مگر مجھے رومن کیتھولک چرچ میں بپتسمہ دلایا گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر کوئی حیرت نہ ہوئی کہ میرے والد میری والدہ کا کتنا لحاظ رکھتے تھے۔ والد چونکہ گھر کے سربراہ تھے لہٰذا ہماری پرورش پروٹسٹنٹ طریقے پر ہوئی۔ ہمارا ایک مذہبی گھرانہ تھا۔ شہر کے چرچ میں ہر اتوار کو عبادت کیلئے باقاعدہ حاضری دیتے تھے اور میں سنڈے بائبل سکول (Sunday Bible School) میں ہر اتوار کو بائبل کی تعلیم بھی حاصل کرتا تھا۔

رومن کیتھولک کی طرح پروٹسٹنٹ بھی تثلیث پر ایمان رکھتے ہیں مگر خدا تین نہیں' ایک ہی ہوسکتا ہے۔ جب اس پراسرار عقیدۂ تثلیث کے بارے میں سوال پوچھے جاتے تو پادری ہمیں بڑے آرام سے کہہ دیتا کہ اس عقیدے میں سوالات کی گنجائش نہیں' آنکھیں بند کر کے ہی ایمان لانا پڑتا ہے۔ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسّم خدا اور اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کی بھی تعلیم دی گئی اور یہ بھی کہا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیک وقت خدا اور انسان ہیں جن کے ذریعے سے ہم خدا سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

❁ **خاندان کی تبدیلیٔ مذہب:** میں نے ہائی سکول کی تعلیم مکمل کر لی تو ہمارے ہاں ''خدا کے گواہ'' (Jehovah's Witnesses) فرقے کے کچھ لوگ آئے۔ اُن لوگوں نے ہمارے ہر فرقے (رومن کیتھولک' پروٹسٹنٹ' سبتی وغیرہ) کے بزرگوں سے گفتگو کی اور یہ مذاکرات تقریباً ایک سال جاری رہے۔ آخر میں نے اور میرے تمام خاندان نے ان لوگوں کا مذہب قبول کر لیا۔ اسرارِ تثلیث کے حوالے سے کچھ سوالات کے جواب ہمیں مل گئے کیونکہ ہمارے نئے مذہب نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ خدا صرف ایک ہی ہے اور اس کا نام 'جیہووا' (Jehovah) ہے۔ روح القدس کوئی الگ خدا نہیں بلکہ ایک خدائی قوت ہے جو اس نے کچھ لوگوں کو عطا کی ہے اور یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا نہیں بلکہ ان کا مقام خدا سے نیچے اور انسانوں سے اعلیٰ ہے' دراصل وہ خدا اور انسان

کے درمیان ایک رابطہ کار ہیں۔ تاہم اس فرقے کا عقیدہ یہ تھا کہ عیسائیت کے تمام فرقوں کے عقائد سوائے تثلیث کے حق پر مبنی ہیں۔ گویا میری سچ کی تلاش ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کیونکہ ابھی کئی ایسے سوالات تھے جن کے جواب دیتے ہوئے عیسائیت پر نزع کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔

میرا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ عدل کا سرچشمہ ہے' اس لیے اس نے بہت حکمت سے اپنی ذات کا انکشاف کیا ہوگا۔ اللہ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں' اس لیے اس کے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی طرف سے تمام انسانوں کے فرائض اور ذمہ داریاں برابر ہوں' جنہیں ہر انسان اپنے شعور اور حالات کے مطابق پورا کرنے کا پابند ہو۔ اگر اللہ کا نازل کردہ پیغام سمجھ سے بالا تر ہو اور انسانوں کے ذریعے سے تشریح کا محتاج ہو تو پھر یہ پیغام ناقص ٹھہرتا ہے' کیونکہ انسان سے خطا تو بہرصورت ہو ہی جاتی ہے' اسی لیے انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ پیغامات کے لغوی معنوں میں کسی قسم کا ردوبدل نہ کرے کیونکہ اس کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا کیونکہ اللہ مبہم کلام نازل نہیں فرماتا۔

❁ **اسلام سے وابستگی:** 1984ء میں سعودی عرب کی تعمیراتی فرم ''تہامہ کنٹریکٹ کمپنی لمیٹڈ ریاض'' نے مجھے بطور ایڈمنسٹریٹو مینجر خدمات پر مامور کیا۔ چند ماہ بعد میرے کچھ رفقائے کار نے مجھے اسلام سے متعارف کروایا۔ مجھے یاد ہے کہ میرے ایک سوڈانی رفیق کار عواض حسن ابراہیم نے مجھ سے کہا: ''مسٹر کیو (Mr.Cave)! آپ ایک اچھے انسان ہیں' آپ اسلام کیوں نہیں قبول کر لیتے؟ آپ کو اس سے یقیناً فائدہ ہوگا۔'' دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مل کر انہوں نے مجھے اسلام کی تعلیم دی۔ کچھ لوگ ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ ریاض (WAMY) سے میرے لیے اسلامی لٹریچر لے آئے' جہاں میں اس وقت ملازمت کر رہا ہوں۔ ان کے علاوہ میں اپنی تعلیم اسلام کے سلسلے میں ٹیلی ویژن کا پروگرام "ISLAM IN FOCUS" بھی دیکھنے لگا جو ڈاکٹر جمال بیضاوی پیش کرتے تھے۔ اس پروگرام میں ڈاکٹر بیضاوی عیسائیت کے کچھ ایسے نظریات کی نامعقولیت پر بحث کرتے تھے جن سے میں آشنا تھا۔

مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہودیت' عیسائیت اور اسلام کا پس منظر ایک ہی جیسا ہے۔ تینوں

مذاہب توحید کا پرچار کرتے ہیں' اللہ کو قادر مطلق اور حاضر وموجود سمجھتے ہیں۔ تینوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم' حضرت نوح' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت یعقوب اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے اپنا پیغام بنی نوع انسان تک پہنچایا۔ زمین وآسمان کی تخلیقِ ربّانی کو بھی تینوں مذاہب مانتے ہیں۔ ملائکہ' شیطان اور یوم حساب کا وجود بھی تینوں تسلیم کرتے ہیں' اور یوم حساب کی سزا وجزا پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

عیسائیت اور اسلام دونوں میں یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی قدرت سے بن باپ کے اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اُنہیں انجیل عطا کی گئی اور ان کے ہاتھوں کئی معجزات رونما ہوئے۔ تاہم عیسائیت اور اسلام کے درمیان ایک چیز باعث نزاع ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں اور مسلمان انہیں صرف ایک نبی تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی نظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا اللہ واحد کی توہین اور صریحاً کفر ہے۔ متی کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا:

''اور یہ دائمی زندگی ہے کہ وہ تجھ ہی کو واحد سچا رب مانیں اور عیسیٰ کو تیرا بھیجا ہوا (نبی) مانیں۔'' (انجیل متی:17/3)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرستادہ ہونے کا اقرار کر کے خود کو الوہیت سے بالکل الگ کر دیا۔ انجیل کا یہ حصہ قرآن حکیم کی اس آیت کے مطابق ہے:

﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ﴾ (المائدة: ٥/ ٤٦)

''اور ان کے پیچھے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی جس میں نور اور ہدایت تھی۔''

❁ **قبولِ اسلام:** اسلام کے بارے میں مطالعہ کے دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ اسلام خالص ترین شکل میں توحید سکھاتا ہے۔ اللہ کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں۔ وہ خالق ہے' محبت کرنے والا' سہارا دینے والا اور تمام کائنات کا حاکم مطلق ہے۔ ہماری تمام تر پرخلوص عبادت اور احترام

کا وہی مستحق ہے۔ اسمائے حسنیٰ میں پائی جانے والی صفاتِ عالیہ کا وہی اکیلا مالک ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو ان صفات کا دعویدار نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنا یا الٰہ سمجھنا توحید کے منافی ہے۔

اسلام نے مجھے واقعی سچائی کی روشنی دی ہے' درست عقیدہ عطا کیا ہے اور خالق کی طرف لے جانے والا صحیح راستہ دکھایا ہے۔ تقریباً 9 ماہ تک اسلام کی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنے کے بعد مجھے کسی مضائقہ کے بغیر اسلام کی مکمل صداقت کا یقین ہوگیا اور میں نے 3 جون 1985ء کو اسلام قبول کرلیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اسلام قبول کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ آپ جانتے ہیں کہ انسان باشعور مخلوق ہے لہٰذا اسے چاہیے کہ وہ نہ صرف حق کو تسلیم کرے بلکہ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر حال میں حق کا اعلان کرے اور اس کا دفاع کرے۔

حق کو نظر انداز کرنا ڈھٹائی' خواہشاتِ نفس کی پیروی' شرمناک فعل اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ اپنے خالق سے بغاوت اور غداری ہے جس نے ہمیں وجود بخشا۔ اگر وہ ہمیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا ارادہ کرتا تو کسی بھی لمحے ہمیں ملیامیٹ کرسکتا تھا مگر اس نے ہم میں سے ہر ایک کو ایک مخصوص مقصد کے لیے پیدا کیا (لہٰذا وہ اس مقصد کے حصول سے پہلے انسانیت کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔) اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ہمارے مقصدِ تخلیق کی نشان دہی کر دی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ ﴾ (الذاريات: ٥١/ ٥٦)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں۔''

تخلیق کائنات کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ ﴾ (الأنعام: ٦/ ٣٢)

''اور دنیاوی زندگی محض کھیل تماشا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے مدنظر ایک سنجیدہ مقصد ہے جسے ہم اپنی ناقص عقل کے مطابق یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ہر مخلوق کو افزائش اور ترقی کے ذریعے سے اپنے مقصد اولیٰ (خالق) تک پہنچنے کا موقع

دیا جاتا ہے۔ وہی ہر طاقت اور خوبی کا سرچشمہ ہے۔ ہماری ترقی کا انحصار اس کی مرضی پر چلنے میں ہے۔ یہی اس کی عبادت ہے جس کا اسے کوئی فائدہ نہیں مگر ہمیں فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

آخر میں، میں نبیٔ اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ پیش کرتا ہوں جس میں آپ نے فرمایا:

''انسان کو اللہ نے عقل سے بہتر کوئی اور نعمت نہیں دی۔''[1]

ذیل میں جناب محمد امین سی کیو کے ایک انٹرویو سے اُن سوالات کے جوابات ملاحظہ کیجیے جو ان کے سامنے اٹھائے گئے:

سوال قبول اسلام سے پہلے اور بعد کے احساسات بیان فرمائیے؟

جواب تعمیل ارشاد سے قبل میں یہ بیان کرنا چاہوں گا کہ ایک پکا پروٹسٹنٹ عیسائی ہونے کے باعث میں مسلسل مطالعے اور تحقیق سے حق کی تلاش میں لگا رہا۔ جوں جوں میری تحقیق آگے بڑھی، مجھے اپنے عقیدے میں ایسی ایسی خامیاں نظر آنے لگیں کہ میں نے ''جیہووا (اللہ) کے گواہ'' (Jehovah's Witnesses)[2] نامی فرقے کا مذہب اختیار کرلیا، تاہم ابھی کچھ ایسے تضادات باقی تھے جو عیسائیت کو غلط ثابت کرتے تھے۔ عیسائیت کے نظریات کے واجب العمل ہونے میں بھی بہت تنگ نظری اور کوتاہ بینی تھی لہٰذا ان کی درستی مشکوک تھی۔ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان واسطہ نہیں مان سکتا تھا کیونکہ واسطہ کی ضرورت اللہ تعالیٰ کے اوصاف کی تردید کرتی ہے جبکہ وہ قادر مطلق اور علیم ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ میرا عیسائیت پر ایمان ختم ہونے لگا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد وہ تمام مسائل حل ہوگئے جو میرے لیے پریشانی کا سبب تھے۔

---

1. مصنف کو سہو ہوا ہے کیونکہ یہ فرمان رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ مطرف بن شخیر کے قول کا مفہوم ہے۔ اس کی تفصیل دیباچے میں گزر چکی ہے، نیز عقل کے متعلق تمام احادیث ضعیف یا موضوع ہیں جس کی بحث پیچھے گزر چکی ہے۔ (عبدالرحمٰن)
2. اس عیسائی فرقے کے ارکان آنے والے عہدِ ہزار سالہ اور خدا کی مذہبی حکومت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس دور میں ان کے عقیدے کے مطابق شیطان قید ہوگا اور حق کی حکومت ہوگی۔

توحید پر ایمان سے اللہ واحد کی الوہیت اور حقیقت کے بارے میں میرے تمام شکوک وشبہات کا ازالہ ہوگیا۔ الحمدللہ اس حتمی صداقت کا ادراک مجھے حاصل ہو چکا ہے کہ اللہ کے سوا معبودِ حقیقی کوئی نہیں، وہ خالق ہے، مخلوق سے محبت کرتا ہے اور تمام جہانوں کا مالک ہے، اس کا کوئی شریک کار نہیں ہے۔

سوال لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کا بہترین طریقہ کونسا ہے؟

جواب انسان کو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے مناسب رہنمائی سے محروم نہیں رکھا گیا، لہٰذا اسلام ایک مکمل اور جامع ضابطۂ حیات ہے جو تمام انسانی مساعی کا احاطہ کرتا ہے۔ لوگوں کو دعوت اسلام دینے کے حوالے سے قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت ہماری رہنمائی کرتی ہے:

﴿ ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ ﴾ (النحل: ١٦/ ١٢٥)

”(اے محمد ﷺ!) لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کی مدد سے اللہ کی طرف بلائیے اور ان کے ساتھ بہترین طریقے سے گفتگو کیجیے۔ بے شک تمہارا اللہ اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو اور ہدایت یافتہ لوگوں کو بخوبی جانتا ہے۔“

انسان ایک پیچیدہ وجود ہے جسے نہ صرف بہت سی صلاحیتیں عطا کی گئی ہیں بلکہ نہایت لطیف جذبات واحساسات سے بھی نوازا گیا ہے جن کی بدولت اسے تہذیب اور شائستگی حاصل ہوئی۔ ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے انسان کو دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہییں: اول حکمت اور دوم اچھی نصیحت۔“ حکمت سے ان کی مراد ان تعصّبات کو سمجھنا ہے جو اسلام کے خلاف غیر مسلموں میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کی ذہنی استعداد اور حالات کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ مختصر یہ کہ دعوت کا دارومدار ان لوگوں کو سمجھنے پر ہے جنھیں ہم دعوت دینا چاہتے ہیں۔ ان کے تمدن، نظریات، مسائل، توقعات اور خواہشات کو

سمجھنا بھی ضروری ہے۔ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ تمدن کے اختلافات بہرصورت پائے جاتے ہیں اور لوگوں کے مختلف تہذیبوں کے بارے میں نقطۂ نظر کا جاننا بھی ضروری ہے۔

اچھی نصیحت سے مولانا مودودی رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ لوگوں کو صرف عقلی دلائل ہی سے قائل کرنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ لطیف انسانی جذبات کا بھی لحاظ رکھا جائے۔ صرف لوگوں کے عقائد کی خامیاں نہ بتائی جائیں بلکہ ان عقائد کا پرچار کرنے اور ان پر عمل کرنے کے نقصانات بھی بتائے جائیں۔ داعی کا کام لوگوں کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کرنا بھی ہے اور انہیں موجودہ مسائل کا مناسب حل بتانا بھی ہے۔ اس کے علاوہ داعی کو غیر ضروری دلائل سے گریز بھی لازم ہے۔ گفتگو شائستہ اور باوقار ہو اور مزاج میں نرمی اور شائستگی پائی جائے۔ سوالات کے جوابات کھرے کھرے اور باوقار ہونے چاہییں تاکہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔

اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کے لیے ایک اور اچھا طریقۂ کار مقامی زبانوں اور لب ولہجہ پر عبور حاصل کرنا ہے۔ اس طرح داعی جن لوگوں سے مخاطب ہوں گے وہ ان کی بات کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں گے اور دعوت زیادہ مؤثر ثابت ہوگی۔

علاوہ ازیں ہر داعی کے لیے دین کا مکمل علم ہونا ضروری ہے۔ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ انسان ایسی چیز کی تبلیغ نہیں کرسکتا جس کا اسے علم ہی نہ ہو۔ دعوت کی کامیابی کے دوسرے پہلو خلوص نیت اور استقامت ہیں۔ داعیوں کو اچھی مثالیں قائم کرنی چاہییں کیونکہ مشہور مقولہ ہے کہ ''لفظوں کی نسبت عمل کی آواز زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔''

ان باتوں کے علاوہ انسان کو دعوت کے کام پر زیادہ محنت کرنی چاہیے اور ایک فرض شناس مسلمان ہونا چاہیے۔ ہمیں جدید ذہن کے عیسائی مبلغین سے سبق سیکھ کر ان کی تبلیغی کوششوں کی روک تھام کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعمیرِ مساجد کی طرف دھیان دینا چاہیے۔ ہمیں نوجوان نسل پر بھی پوری توجہ دینی چاہیے۔ ان کے لیے ہر سطح پر اسلامی تعلیم کے ادارے بنائے جائیں۔ شفا خانے، ہسپتال، یتیم خانے، امدادی ادارے وغیرہ قائم کرکے سماجی خدمات بھی سرانجام دینی چاہییں تاکہ معاشرے میں اسلامی ماحول قائم ہو اور اسلام کے

وجود کا بھرپور احساس پیدا ہو۔

نبی ُکریم ﷺ نے امت کے رہنما کی حیثیت سے دعوت کی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں' بالخصوص جب یمن میں تبلیغی وفد بھیج کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان کی تعلیم دی گئی اور اس کے بعد دیگر اسلامی تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرایا گیا۔ قرآن پاک میں شراب کی مکمل ممانعت سے قبل بتدریج شراب نوشی سے لوگوں کو پرہیز کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور نبی ُاکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے بہتر کوئی طرزِ عمل نہیں۔

سوال احمد دیدات کی دعوتِ اسلام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب بے شک شیخ احمد دیدات کا اندازِ دعوت کسی حد تک مؤثر ہے۔ انہوں نے عیسائیوں کو موجودہ بائبل کی خامیوں اور ان کے نظریات کی نامعقولیت سے روشناس کرایا ہے' تاہم اس انداز سے انہوں نے اسلام کے دشمن بھی پیدا کیے ہیں جو اسلام سے مزید دور ہو جاتے ہیں اور زیادہ شدت سے اسلام کی تردید کرنے لگتے ہیں۔[1]

یہ ایک عام انسانی مشاہدہ اور تجربہ ہے کہ دشمن کو مناظرے میں دلائل سے شکست دینے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے دلوں میں مخالفت اور عداوت کی آگ اور بھی زیادہ بھڑک اٹھتی ہے۔ اکثر اوقات فاتح اور مفتوح مناظرے کے بعد ایک دوسرے کے اور زیادہ دشمن اور مخالف ہو جاتے ہیں۔

میرے خیال میں دعوت کا کام قرآنِ حکیم اور سنت نبوی ﷺ کی تعلیم کے ذریعے سے ہی زیادہ مؤثر طریقے سے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ دعوت کے اس عمل کی بنیاد توحید کی تعلیم پر ہونی چاہیے جو اسلامی تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جہاں بائبل سے مدد مل سکے وہاں بھی اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ بائبل کے حوالے سے بات کرنے میں احتیاط سے کام لیا

---

[1] شیخ احمد دیدات رحمہ اللہ' ڈربن (جنوبی افریقہ) کے مبلّغ اور مناظر تھے۔ وہ چند سال پہلے انتقال کر گئے ہیں۔ (م ف)

جائے اور یہ دھیان رکھا جائے کہ اپنی بات واضح کرنے کے لیے ہمیں بائبل سے جتنی ضرورت ہو، اتنی ہی مدد لی جائے۔ بائبل کے حوالے سے بات کرتے وقت یہ احتیاط بھی ضروری ہے کہ کہیں لاشعوری طور پر اس کے متن کا مستند اور من جانب اللہ ہونا ثابت نہ ہو جائے۔ مختصر یہ کہ بائبل کا حوالہ صرف اس وقت ہی دیا جائے جہاں یہ کہنا ضروری ہو کہ ''آپ کی بائبل بھی یہ کہتی ہے۔'' ایسا نہ ہو اپنے حق میں بائبل سے دلیل لی جائے مگر اسلامی نقطۂ نظر کا ثبوت اس میں نہ پایا جائے۔

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اسلام ایک مکمل دین ہے جس میں کسی اضافے یا ترمیم کی ضرورت نہیں۔ یہ ہر لحاظ سے مکمل ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں قرآن حکیم کی اس آیت کا حوالہ دیا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ (المائدة: ٥/ ٣)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔''

سوال افریقہ کے لوگوں کو عیسائی بنانے کے لیے عیسائی مشنری (مبلغ) کیا طریقے استعمال کرتے ہیں؟

جواب افریقہ میں عیسائی مشنریوں کو نوآبادیاتی عیسائی حکومتوں کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے جو اپنے سیاسی اور معاشی مقاصد کے لیے افریقہ کی آبادی کو عیسائی بنانا چاہتی ہیں۔ اس طرح ان عیسائی مبلغین کو بہت سی مراعات اور سہولتیں میسر آجاتی ہیں۔

وسیع وعریض وسائل کے علاوہ یہ عیسائی مشن مقامی آبادی پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کے لیے کئی اور طریقے بھی اپناتے ہیں۔ ان لوگوں سے رابطے میں آسانی کے لیے وہ قبائلی زندگی اور زبانوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ انھوں نے بائبل کا مقامی زبانوں اور بولیوں میں ترجمہ کیا ہے۔ وہاں اپنے مشن کے مراکز میں ہر سطح کے تعلیمی ادارے قائم کیے ہیں جہاں مقامی زبانوں کے علاوہ ثانوی زبان کے طور پر انگریزی، فرانسیسی یا اطالوی زبان کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

تعلیمی اداروں سے گرجے منسلک ہیں جہاں پورے جوش و خروش سے عیسائیت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ لوگ طلبہ کو ایسے اساتذہ اور عیسائیت کے معلم و مبلغ بنا دیتے ہیں جو فارغ التحصیل ہو کر اپنے اپنے علاقے میں تبلیغی فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

مشنریوں کی کچھ ترقی یافتہ تنظیموں نے صنعتی اور فنی تعلیم کے ادارے بھی قائم کر رکھے ہیں جہاں نوجوان افریقیوں کو زراعت' بڑھئی اور لوہار کا کام' صنعتی مشینوں سے کام لینا' مستری اور درزی کے امور اور دفتری کام وغیرہ سکھائے جاتے ہیں۔ کئی مشنری تنظیموں نے شفاخانے اور ہسپتال بھی قائم کر رکھے ہیں جہاں افریقہ میں بالعموم پائے جانے والے امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے طریقے اختیار کر کے افریقی عیسائیوں کو لوگوں کی معاشی' سیاسی اور سماجی قیادت کے قابل بنا دیا گیا ہے۔ اور یہ تعلیم یافتہ افریقی عیسائی اپنے مغربی مسیحی سرپرستوں کے اشاروں پر چلتے ہیں۔

اب تک عیسائی مبلغین کا عام طریقۂ کار بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ عیسائی تبلیغی تنظیموں نے عیسائی مبلغین کو اسلام کے جامع مطالعے کی تربیت دے کر انہیں تبلیغ پر مامور کیا ہے۔ وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان مذہبی مذاکرے بھی کرواتے ہیں جن کا اہتمام جنیوا میں ورلڈ کونسل آف چرچز (WCC) اور ویٹی کن (Vatican) میں روم یونیورسٹی کا شعبۂ عربی و اسلامیات جیسے ادارے کرتے ہیں۔

تیسرا طریقہ جو افریقہ میں بہت کامیاب ثابت ہوا ہے وہ بین الاقوامی اور علاقائی عیسائی فلاحی و امدادی اداروں کا قیام ہے۔ ان اداروں سے ملنے والی امداد کے ساتھ انجیل اور عیسائیت کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

سوال ایشیا' یورپ' امریکہ اور دوسرے مقامات پر اسلام کی دعوت کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

جواب ایشیا' یورپ اور امریکہ میں اسلام کی دعوت کے نتائج خاصے حوصلہ افزا ہیں۔ دنیا بھر میں کئی غیر مسلم بالخصوص عیسائی لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ یہ کار خیر ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (WAMY) جیسے اداروں کی محنت کا نتیجہ ہے جو دنیا بھر میں اہم مقامات پر بھرپور طریقے سے دعوت اسلام کا کام سرانجام دے رہے ہیں۔ امید ہے رواں صدی کے

اختتام تک مسلمانوں کی تعداد خاصی بڑھ جائے گی۔ اسلام یورپ میں اب دوسرا سب سے بڑا مذہب بن چکا ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی ایک کروڑ 80 لاکھ سے زیادہ ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا مثلاً فلپائن میں قبول اسلام کا رجحان بہت حوصلہ افزا ہے۔ کئی دیہاتی باشندے اسلام کے حسن سے متاثر ہو کر ادھر آرہے ہیں جو کہ عیسائیت کے غلبے کی وجہ سے اب تک منظرِ عام پر نہیں آسکا تھا۔ تھائی لینڈ اور ویت نام جیسے ایشیائی ممالک میں بھی یہی صورت حال نظر آرہی ہے۔ اسی طرح آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ جیسے انتہائی جنوبی ممالک میں بھی قبول اسلام کی رفتار غیر معمولی حد تک تیز ہوگئی ہے۔

اگرچہ چین اور شمالی (وسطی) ایشیائی ریاستوں میں کمیونزم کے عروج کے زمانے میں اسلام دب کر رہ گیا تھا لیکن سوویت روس کی شکست وریخت کے بعد وہاں اسلام کا احیاء تیز رفتاری سے ہو رہا ہے۔ دیگر جگہوں کے علاوہ خاص روس میں بھی مسجدیں تیزی سے بن رہی ہیں۔ اب تو جاپان اور کوریا میں بھی دعوت اسلام کا کام جاری ہے اور اسلام قبول کرنے والے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

شمالی امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ اور کینیڈا میں ہزاروں حبشی نژاد امریکی اسلام قبول کر چکے ہیں۔ اسلام میں نسلی مساوات کی تعلیم نے ان لوگوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا ہے۔ شدید نسلی امتیازات کا شکار دوسرے قبائل بھی اسلام کی جانب مائل ہو رہے ہیں کیونکہ اسلام انہیں انسانی وقار عطا کرتا ہے اور دوسرے درجے کے شہری سے بڑھ کر مقام دیتا ہے۔ اسی طرح کا رجحان کچھ عرصہ سے جنوبی امریکہ میں بھی جاری ہے جہاں ورلڈ اسمبلی آف مسلم یوتھ (WAMY) کے دفاتر قائم ہو چکے ہیں۔

احیائے اسلام کے موجودہ رجحان کی وجہ سے ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب اسلام اپنی عظمت رفتہ حاصل کر کے اللہ کی زمین پر ہر جگہ نافذ العمل ہوگا۔[1]

[محمد امین سی کیو]
(Muhammad Ameen C.Cave)

[1] یہ انٹرویو جریدۃ 'المسلمین' کے لیے لیا گیا تھا مگر ہماری خصوصی گزارش پر برادر محمد امین سی کیو نے از راہ مہربانی یہ انٹرویو ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم اسے اپنی کتاب میں شامل کرنے پر فخر محسوس کر رہے ہیں۔ (مرتب)

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

[محمد اسد سابق لیو پولڈ ویئس (Muhammad Asad Formerly Leopold Weiss) 1900ء میں آسٹریا (بعد ازاں پولینڈ)[1] کے شہر لیوو (Livow) میں پیدا ہوئے اور 22 برس کی عمر میں آپ مشرق وسطیٰ کے دورے پر آئے۔ بعد میں آپ جرمنی کے مشہور و معروف جریدے فرینکفرٹر زائٹنگ ''(Frankfurtur Zeitung)'' کے نامہ نگار مقرر ہوئے۔

قبول اسلام کے بعد پروفیسر محمد اسد نے شمالی افریقہ سے لے کر مشرق میں افغانستان تک دنیائے اسلام کا دورہ کیا۔ کئی سال تک اسلام کے بغور مطالعہ کے بعد آپ اس دور کے سرکردہ مسلمان اہلِ علم میں شمار ہونے لگے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کے بعد آپ کو مغربی پنجاب میں اسلامی تعمیر نو (Islamic Reconstruction) کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ پاکستان کے لیے اسلامی آئین تیار کرنے والی کمیٹی کے بھی آپ رکن تھے۔ بعد میں آپ اقوام متحدہ میں پاکستان کے متبادل مندوب مقرر ہوئے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے اہم ترین کتابیں یہ ہیں:

"Islam at the Crossroads" اور "Road to Mecca"۔ معروف مسلمان عالم محمد مارماڈیوک پکتھال (Muhammad Marmaduke Pickthall) کی وفات کے بعد آپ ''اسلامک کلچر'' (Islamic Culture) نامی ماہوار رسالہ کی ادارت بھی کئی سال تک کرتے رہے۔ بعد میں آپ نے قرآن حکیم کا ایک نیا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا۔ (مرتب)

1922ء میں یورپ کے چند اہم ترین جرائد کے نامہ نگار کے طور پر میں اپنے وطن سے افریقہ اور ایشیا کے دورے پر روانہ ہوا۔ تب سے اب تک میرا تمام وقت اسلامی دنیا ہی میں بسر ہو رہا ہے۔

میں نے جن ممالک کا دورہ کیا ان میں ابتدائی طور پر میری دلچسپی معمولی سی تھی لہٰذا میرا سفر

---

[1] پولینڈ 1795ء سے لے کر 1918ء تک آزاد ملک نہ تھا بلکہ اس کے ہمسایہ ممالک جرمنی، آسٹریا اور روس نے اسے تین حصوں میں بانٹ رکھا تھا، چنانچہ 1900ء میں محمد اسد کا مقام پیدائش لیو، پولینڈ کے اس حصے میں شامل تھا جس پر آسٹریا قابض تھا۔ محمد اسد آخری عمر میں مراکش اور جبرالٹر میں مقیم رہے اور مارچ 1992ء میں انتقال کر گئے۔ (م ف)

ایک عام غیر ملکی سیاح کا سا تھا۔ میں نے ان ممالک میں اپنے سامنے ایک سماجی نظام اور ایک Weltanschauung (ایک منظّم اور اصولی تصور کائنات) دیکھا جو مغربی نظام سے اصلاً مختلف تھا۔

پہلی نظر میں مجھے یہ پرسکون انسانی تصور زندگی اچھا لگا جو کہ یورپی معاشرے کے مشینی اور شور شرابے والے نظام کے بالکل برعکس تھا۔ اس رجحان اور ہمدردی کے جذبے نے آہستہ آہستہ مجھے اسلامی اور یورپی معاشروں کے موجودہ اختلافات کے بارے میں تحقیق پر آمادہ کیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات میں میری دلچسپی بڑھنے لگی۔ اس وقت میری تحقیق وتفتیش کی خواہش اتنی بھرپور نہیں تھی کہ یہ مجھے اسلام کی جنت کی راہ دکھاسکتی۔ تاہم اس خواہش نے مجھے ایک نیا میدان عمل دیا کہ میں اس میں ایک ایسے انسانی معاشرے کا مشاہدہ کروں جو ترقی کے سانچے میں ڈھل رہا ہے۔ یہ معاشرہ کسی بھی شکل کے اندرونی خلفشار سے پاک ہے اور اس کی بنیاد اخوتِ انسانی کے وسیع ترین تصور پر استوار کی گئی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ صورت حال میں اس اعلیٰ نصب العین کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی جو اسلامی تعلیمات سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تمام تر فعالیت، تحریکی قوت اور ترقی، جو اسلام کا جزو لازم ہے، اس کی بجائے ان میں غفلت اور جمود دیکھنے میں آتا ہے۔ اسلام میں رحم وکرم، مستعدی، قربانی اور لگن کے جو خصائص پائے جاتے ہیں عصرِ حاضر کے مسلمانوں میں کم ہوتے ہوتے تنگ دامانی، دریا دلی اور عاجزی میں ڈھل چکے ہیں۔

اسلام کی عظمتِ رفتہ اور موجودہ حالت زار کا تفاوت دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور پریشانی بھی۔ اس کے نتیجے میں، میں اس معاملے کو ایک ایسے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے لگا جس میں زیادہ غور وخوض اور اسلام سے تقرب شامل تھا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں نے خود کو اسلام سے الگ کرکے نہیں بلکہ خود کو اس میں شامل سمجھ کر اسلام کی موجودہ صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ کوشش ایک فکری تجربہ تھی، تاہم میں اس کی مدد سے اس مسئلے کا درست حل تلاش کرنے میں کامیاب ہوگیا جس کا مجھے سامنا تھا۔ مجھے یقین ہوگیا کہ مسلمانوں کی تمدنی اور سماجی تباہی کی

اول و آخر وجہ ان کی اسلام کی اصل تعلیمات سے روگردانی ہے۔ دین کی اصل صورت میں اسلام ابھی زندہ اور فعال ہے اور ابھی تک یہ حقیقی زندگی کا عکاس ہے مگر پیروکاروں کے اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے سے یہ ایک بے جان لاش کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اسلامی دنیا کی اصل طاقت یہی دین اسلام تھا جو اس کی تمدنی اور تہذیبی برتری کا سبب تھا اور اب اگر یہ اسلامی دنیا اسلامی اقدار و تعلیمات کی طرف نہ لوٹی تو اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔

اسلامی تعلیمات کی قوت و تاثیر کے بارے میں جیسے جیسے میرا علم بڑھتا گیا اور ان پر عمل کرنے میں آسانی میری سمجھ میں آنے لگی، اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں یہ تجسّس پیدا ہوگیا کہ آخر مسلمان ایک محفوظ اور توانا زندگی کی تعمیر کے ضامن دین اسلام سے روگرداں کیوں ہوئے؟ میں نے چین کی سرحد سے لے کر صحرائے لیبیا اور باسفورس سے لے کر بحیرۂ عرب کے کناروں تک مسلمان مفکرین اور دانشوروں سے بات چیت کی۔ یہ مسئلہ میرے ذہن پر اس حد تک مسلط ہوگیا کہ اسلامی دنیا میں میرے باقی تمام تر علمی کام ثانوی حیثیت اختیار کر گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری جستجو میں اضافہ ہوتا گیا اور مسلمانوں کی بے عملی کے اسباب پر بحث شدت اختیار کر گئی۔ اگرچہ اس وقت تک میں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا' پھر بھی میں مسلمانوں کی غفلت اور بےپروائی کے بالمقابل اسلام کے دفاع کا علم بردار بن گیا۔

اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات حاصل کرنے میں میری پیش رفت اور کامیابی ناقابلِ ادراک اور مبہم سی تھی' حتی کہ یہ واقعہ پیش آیا:

1925ء کے موسمِ خزاں میں افغانستان کے ایک پہاڑی صوبہ کے نوجوان گورنر نے ایک دن مجھے بتایا کہ آپ مسلمان ہیں اگرچہ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ان کے الفاظ میری روح کی گہرائیوں میں اتر گئے۔

اس واقعہ کے بعد 1926ء میں یورپ واپس آنے تک میں نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کیے رکھی۔ پھر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام سے میری اس قدر دلچسپی کا تقاضا یہ ہے کہ میں اسلام قبول کرلوں۔

میرے قبول اسلام کی کہانی مختصراً یوں ہے کہ 1926ء سے میں اس موضوع پر غور کرتا رہا ہوں کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ وہ کون سی کشش تھی جو مجھے اسلام تک لے آئی؟ سچی بات ہے کہ میرے ان سوالات کا دوٹوک جواب مجھے نہیں مل سکا۔ کسی خاص فلسفے یا اسلام کی تعلیمات میں موجود کسی خاص عقیدے نے مجھے ادھر متوجہ نہیں کیا۔ میں اس پورے نظام سے متاثر ہوا جو اخلاقی اور عملی تعلیمات کا ایک عظیم الشان' مکمل اور منضبط مجموعہ ہے جس کی پوری تشریح کوئی مفکر نہیں کرسکتا۔ میرے لیے یہ کہنا ناممکن ہے کہ اسلام کے فلاں پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اسلام ایک ماہر فن کی کاریگری کا مکمل اور بہترین نمونہ ہے۔ اس شاندار فنی شاہکار کا ہر ہر پہلو ایک ہم آہنگ اور مربوط تصور کا نتیجہ ہے جس سے اس کی تعمیر کے حسن اور داخلی وحدت کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی ساخت میں کوئی کمی بیشی نظر نہیں آتی بلکہ اس سے مکمل توازن اور ہم آہنگی کا تاثر قائم ہوتا ہے۔

غالباً مجھے اسلام کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ اس کی تعلیمات اور نظریات آپس میں مکمل طور پر منظم اور منضبط ہیں۔ اس کے علاوہ شاید کچھ اور باتیں بھی ہوں جن کا میں تجزیہ نہیں کرسکتا۔ میں نے اسلام کی خوبیوں سے مسحور ہوکر اسلام قبول کیا۔ مسحور ہونا یا محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو کئی عوامل پر مشتمل ہے' اس میں ہماری خواہشات اور احساس تنہائی کا بھی دخل ہے اور ہمارے بلند نصب العین' احساس کمتری' کمزوریوں اور توانائیوں کا بھی دخل ہے۔ یہ ہے میرے قبول اسلام کی داستان۔ اسلام ایک واضح احساس بن کر میرے دل میں اتر گیا۔ چپکے سے رات کے اندھیرے اور لاعلمی میں آکر واپس نہیں چلا گیا بلکہ ہمیشہ کے لیے میرے دل میں بس گیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے بڑی عرق ریزی سے اسے سیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی تعلیمات سے ممکن حد تک آگاہی حاصل کی اور قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا۔ قرآن کی زبان' اس کی تاریخ اور اس پر لکھی جانے والی توضیحی اور تنقیدی کتب کا مطالعہ کیا۔ میں نے پانچ سال حجاز اور نجد میں رہ کر اسلام کے عروج اور اس کی تعلیمات کے منبع وماخذ سے جذبہ اور ولولہ حاصل کیا

جہاں رسول عربی ﷺ نے زندگی بسر کی تھی۔ چونکہ حجاز میں مختلف ممالک سے مسلمان آتے ہیں اس لیے مجھے دور حاضر کے مختلف مذہبی اور سماجی نظریات کا مقابلہ وموازنہ کرنے کا موقع ملا۔ اس تقابلی مطالعہ سے میرا ایمان مزید پختہ ہوا اور مجھے یہ یقین کامل ہوگیا کہ مذہبی اور سماجی عوامل کے اعتبار سے اسلام ہی تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ توانا اور محرک قوت ہے اگرچہ مسلمان پسماندگی اور بے عملی میں مبتلا ہیں (مگر یہ ان کا اپنا قصور ہے' دین میں کوئی خامی نہیں۔) جب سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں میری تمام کوششیں اسلام کے احیاء کے لیے وقف ہیں۔ ①

[محمد اسد' سابق لیو پولڈ ویئس۔ پولینڈ]

(Muhammad Asad, Formerly Leopold Weiss-Poland)

زندگی بھر ہندو رہنے کے بعد میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

عصر حاضر کے ہندو بت پرستی اور شرک کی وجہ سے روحانی پستی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہر انسان کی طرح ہندو کے دل میں بھی اپنے الٰہ اور اس سے اپنے رشتے کو پہچاننے کی طلب تو موجود ہے مگر ہندو معاشرہ دیوی دیوتاؤں کی پوجا کی صدیوں قدیم روایات کے باعث ایک اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے مناسب ماحول فراہم نہیں کرتا اور انہی مذہبی رسومات اور بت پرستی کے رواج نے تمام ہندوؤں کے طرز زندگی کو اس حد تک آلودہ کر دیا ہے کہ بھارت کا پڑھا لکھا ہندو بھی ایک اللہ کی عبادت کے سیدھے سادے اور صاف راستے سے بہت دور ہٹا ہوا ہے۔

بھارت میں مذہبی تہوار عبادت کے بجائے محض کھانے پینے اور تفریح تک محدود ہیں۔ تقریباً ہر بڑے تہوار میں لڑائی جھگڑا اور فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں۔ مذہب کی بجائے سیاسی پہلو زیادہ مدنظر رکھے جاتے ہیں۔ وقت اور روپیہ بے دریغ لٹایا جاتا ہے۔ آج کل تہواروں کا اہتمام اور نگرانی مندروں کے پنڈتوں کے بجائے سیاست دان کرتے ہیں۔ ان تہواروں میں روحانیت کا کوئی پہلو نہیں ہوتا کیونکہ اللہ اور اس کی عبادت کا تو ان میں کوئی مقام ہی نہیں ہوتا۔

① یقین انٹرنیشنل' 22 اپریل: 1984ء' ج: 32' ش: 24' ص: 256,255

راقم کا تعلق ایک ایسے ہی ہندو معاشرے سے تھا جس میں بہت سی دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا رائج ہے۔ دولت کی دیوی لکشمی، علم کا دیوتا گنیش (Ganesh)، جسمانی قوت اور توانائی کا دیوتا ہنومان اور اس طرح کے بے شمار دیوی دیوتا ہیں۔ ہر آدمی اپنی ضرورت اور مفاد کے مطابق کسی دیوی یا دیوتا کی پوجا کرتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ بھارت میں تمام ہندوؤں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک خدا ناکافی سمجھا جاتا ہے اسی لیے وہاں بہت سے دیوتا اور مندر ہیں جو انسانوں کو روحانی گمراہی اور انتشار میں مبتلا کیے رکھتے ہیں جس کے باعث وہ کبھی ایک مندر اور کبھی دوسرے میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ مندروں کے پروہت عام لوگوں کو گمراہ کر کے ان سے مال بٹورتے اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔

صدیوں پرانے جھوٹے تصورات اور روایات میں الجھ کر ہندوؤں نے اللہ کے سیدھے راستے کو اپنے لیے ٹیڑھا اور دشوار بنا رکھا ہے۔ یہ فرسودہ روایات مندروں کے پروہتوں اور دوسرے پیشواؤں نے قائم کر رکھی ہیں جو برہمن کہلاتے ہیں۔ انہوں نے ہندو معاشرے میں ذات پات کی لعنت کو رائج کر رکھا ہے۔ لوگوں کو بلند ذات برہمن اور نچلی ذاتوں اور اچھوتوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اچھوت ذات کے لوگ جو گھٹیا درجے کا کام سرانجام دیتے ہیں، انہیں مندروں میں داخلے کی اجازت نہیں بلکہ انہیں مندروں اور عبادت گاہوں سے دور رہنا پڑتا ہے۔

ہم اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہندو معاشرہ اور مذہب کس قدر انحطاط کا شکار ہے جس نے انسانوں کو اونچ نیچ کے فرق میں جکڑ رکھا ہے۔ شاید دنیا میں کوئی بھی اور مذہب اللہ کی مخلوق میں امتیاز کا ایسا گھٹیا طریقہ نہیں سکھاتا۔ برہمنوں کا اول وآخر مقصد ہندو معاشرے پر حکومت کرنا اور عام آدمی کا استحصال کر کے ہمیشہ برسر اقتدار رہنا ہے۔

غالباً ناخواندگی اور برہمنوں کی رائج کردہ ذات پات کی تمیز ہی سے بت پرستی نے رواج پایا ہے۔ بے چارے ہندو نظر نہ آنے والے اللہ کی پہچان اور عبادت سے سکون حاصل کرنے کی طلب میں برہمنوں کے ہاتھوں شرک اور بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

ہندو مذہب کو سمجھنے میں ایک رکاوٹ سنسکرت زبان ہے جس میں ان کی بیشتر مذہبی کتابیں